پندرہ روزہ
شبنم
کراچی

۹ نومبر ۷۸ء

صفحہ ۱۱ پر

آئین
۱۹۷۳

۵ جولائی
۱۹۷۷

۳ ستمبر
۱۹۷۷

۱۸ مارچ
۱۹۷۸

۱۷ مئی
۱۹۷۸

؟؟

پیپلز پارٹی کے دس ہزار سے زائد کارکن گرفتار کر لئے گئے

صفحہ ۱۵ پر

قیمت ۵ روپے

سرداروں اور والیان ریاست کا الاؤنس ۷۶ لاکھ روپے!

مارشل لاء انتظامیہ نے جاگیرداری اور سرمایہ داری کو دوام بخشنے اور امریکی فلسفہ کو پاکستان میں قائم و دائم رکھنے اور سرداری نظام کو دوبارہ بحال کرنے اور والیان ریاست کو مراعات دینے کی پالیسی اپنا کر غریب عوام اور مزدور اور کسان دوستی سے گریز کیا ہے

وفاقی حکومت نے بلوچستان کے سرداروں اور پاکستان کے والیان ریاست کے الاؤنس کے لیے ۷۵ لاکھ ۸۲ ہزار روپے کی رقم کی منظوری دے دی ہے بلوچستان کے سرداروں کی ماہانہ تنخواہوں کے ساتھ ساتھ پاکستان کے نوابوں اور والیان ریاست کی تنخواہوں کا گوشوارہ یہ ہے کہ بہاول پور کے امیر کا ۱۶ لاکھ روپے، خیرپور کے امیر ۱۰ لاکھ روپے خان آف قلات ساڑھے چھ لاکھ روپے جام صاحب لسبیلہ ۲ لاکھ روپے نواب مکران ایک لاکھ ۷۰ ہزار روپے، نواب خاران ۷۵ ہزار روپے والی سوات ۹ لاکھ ۵۰ ہزار روپے، نواب دیر ۳ لاکھ ۷۵ ہزار روپے، اور امیر چترال کو ۹۰ ہزار پانچسو روپے دیا جارہا ہے۔

یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ بلوچستان کے سرداروں کی بھاری بھرکم تنخواہوں کے ساتھ ساتھ پاکستان کے نوابوں اور والیان ریاست کو یہ بھاری بھرکم تنخواہیں کن عوامی خدمات کے صلہ میں دی جارہی ہیں۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ غیر ملکی اقتدار نے اپنی سیاسی مصلحت کی بنا پر جاگیرداری اور سرمایہ داری کو دوام بخشا سرداروں، نوابوں اور والیان ریاست کو لاکھوں روپے ادا کرنا نظام مصطفیٰؐ کی توہین ہے جاگیرداری اور سرمایہ داری اسلام میں قطعاً جائز نہیں ہے اسلام میں جاگیرداری اور سرمایہ داری کا خاتمہ ضروری ہے اور سرداروں کی تنخواہ اور نوابوں اور والیان ریاست سے مراعات ختم کرکے ان کی بھاری بھرکم تنخواہوں کی یہ رقم مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کی جائے۔

موسیٰ طور مینگل۔ لاہور۔

فاروقی اور سنسر شپ

ابھی صحافی برادری اپنی سب سے طویل اور دشوار ترین تحریک ختم کرکے چین کا سانس بھی نہ لینے پائی تھی کہ حکومت کی جانب سے مخالف اخبارات اور جرائد پر سنسر شپ عائد کردیا گیا۔ جماعت اسلامی ہمیشہ سے آزادیٔ صحافت کے لیے نعرہ لگاتی رہی ہے اور اپنی اسی پرفریب پالیسی کی آڑ میں اس پروار بھی کرتی رہی ہے۔ یہی جماعت اسلامی بھٹو صاحب کے دور میں پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈیننس کی منسوخی پر سارا زور صرف کرتی رہی ہے۔ مگر آج جب کہ برسراقتدار ہے تو اس کالے قانون کا تحفظ کرتے ہوئے اپنے مخالف اخبارات اور جرائد پر سنسر شپ کی تلوار لٹکادی ہے دلچسپ بات تو یہ ہے کہ امن مساوات، صداقت میں جو مواد سنسر شپ کی نذر کردیا جاتا ہے وہی مواد جنگ مشرق، مارننگ نیوز وغیرہ بڑے اہتمام سے شائع کرتے ہیں اس سے جانبداری صاف جھلکتی ہے میرے خیال میں محمود اعظم فاروقی صاحب مساوات، امن، صداقت کی سرکولیشن کی بڑھتی ہوئی تعداد سے پریشان ہیں کیونکہ ان کے ذاتی اخبار اور صحافت کے نام پر دھبہ جسارت کی سرکولیشن بمشکل ۲۰ ہزار کے قریب ہوگی۔ صحافت نام حق و سچائی کا ہے جب مخالف اخبارات و جرائد اپنے مقدس پیشے سے انصاف کرتے ہوئے جو معاشرے میں دیکھتے ہیں وہ اپنے کالموں سے اپنے قارئین تک پہنچاتے ہیں تو کیا جرم کرتے ہیں آخر ہم کب تک حقائق سے چشم پوشی کرتے رہیں گے۔ ہم میں اتنا حوصلہ ہونا چاہیئے کہ تنقید برداشت کرسکیں اگر حکومت سمجھتی ہے کہ مخالف اخبارات اور جرائد ملکی مفاد کے خلاف مواد شائع کررہے ہیں تو بلا کسی تاخیر کے عدالت سے رجوع کرے اور جو سزا عدالت تجویز کرے وہ اخبارات کو دے یہ ایک آئینی جمہوری اور قانونی بات ہوگی جس سے ہر ایک اتفاق کرے گا۔

رشیدہ ابراہیم گھانچی
گرین ٹاؤن کراچی۔

اساتذہ کی قلت

ہائی سکول مند میں پانچ ٹیچرز ہیں جو بالکل ناکافی ہیں۔ اور جن کی وجہ سے یہاں کے طلباء پریشانیوں میں مبتلا ہیں اور طلباء کا تعلیمی وقت ضائع ہو رہا ہے اور پرائمری سکول رکلی کو حال ہی میں مڈل سکول کا درجہ دیا گیا ہے لیکن ابھی تک نہ اساتذہ مقرر کیے گئے ہیں اور نہ ہی کوئی بلڈنگ تعمیر کی گئی ہے۔ ہم حکومت بلوچستان سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ ہمارے مسائل پر جلد توجہ دی جائے اگر ہمارے مطالبات پر توجہ نہ دی گئی تو ہم جو اقدام اٹھائیں گے اس کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔ ہائی سکول میں ٹیچروں کی قلت ہے لہٰذا ٹیچروں کی قلت کو دور کرکے اسٹاف مکمل کیا جائے اور ہائی سکول کی تمام سہولتیں فراہم کی جائیں۔ مڈل سکول بلو میں ٹیچرز مہیا کیے جائیں۔ اور بلڈنگ، اساتذہ کیلئے رہائش گاہ بھی تعمیر کی جائے۔

اسلم بلوچ محمد بی ایس او
(عوامی) مند زون

جبر کے خلاف تحریک

میری طرف سے تمام محنت کشوں، ہاریوں، طلبہ، صحافیوں اور خصوصی طور پر آپ کی اور عظیم رہنما جناب منہاج برنا کی خدمت میں سلام عقیدت، آپ نے جو عظیم جدوجہد کی ہے اس کے لیے تمام قوم بالخصوص جمہوریت دوستوں اور عوام دوستوں کے دلوں میں اخباری کارکنوں کا احترام بڑھا ہے۔ آپ نے جو جدوجہد کی ہے دنیا بھر میں شاید ہی اس کی کوئی مثال پہلے موجود ہو۔ اور میں یہ برملا کہوں گا کہ اسی عظیم جدوجہد کی بدولت آج پوری قوم ظلم و ناانصافی اور دہشت گردی کے خلاف ایک نئے جوش و جذبے سے سرشار ہے آپ نے آمرانہ اور عوام دشمن نظام کی طرف سے مسلط کردہ نام نہاد خوف کو توڑنے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے آج پوری قوم جس قسم کے ذہنی کرب اور استحصال کا شکار ہے اس کی ذمہ داری مکمل طور پر مفتی محمود، مودودی اور فاروقی وغیرہ پر عائد ہوتی ہے۔ نظام شریعت پہلے نظام مصطفیٰؐ تھا) اور عوامی حقوق کی تحریک چلانے والوں سے پوچھیے کہ کیا وہ اسی نظام کے لیے تحریک چلا رہے تھے۔ جس کی مدح سرائی دن رات ان کے وزراء (نام نہاد) کرتے نہیں تھکتے تھے اور کیا وہ اتنے ہی بے بس ہو گئے ہیں کہ غریب عوام پر کوڑے برسانے والے ان کو حق پر نظر آتے ہیں؟

دراصل یہ غیر نمائندہ اور غیر جمہوری وزراء جو پوری سیاسی زندگی میں عوام کے ہاتھوں پٹتے رہے ہیں وہ اب عوام سے اپنا بدلہ چکا رہے ہیں۔ اور کچل دینے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ غور فرمایئے عوام کو کچل دینے کی دھمکیاں۔ (یہ منہ اور مسور کی دال)

ڈنڈا فورس کو تیار رہنے کا حکم دینے والے مارشل لاء کے ماتھے ہیں جو خانہ جنگی کو روکنے کے بہانے لگایا گیا تھا لیکن اب ان کو "فرقہ مودودیہ" کی غیر ذمہ دارانہ حرکات کے باعث بڑھتے ہوئے خانہ جنگی کے خطرات دکھائی نہیں دے رہے

سکندر علی گرجہ انوالہ

جرأت اظہار کو سلام

الفتح مطبوعات کا ہفت روزہ "فرہاد" پڑھا۔ تمام مضامین اچھے تھے خصوصاً مجاہد صحافت برنا صاحب اور حسین نقی صاحب کے مضامین تو قلب کو گرما دینے والے ہیں اس دفعہ کا خصوصی مضمون بہت خوب تھا جناب مسعود الحسن صاحب کا "پاکستان کے سیاسی بحران" پر بے لاگ اور بے باک تبصرہ نہایت ہی عمدہ رہا۔ مسعود صاحب نے جس خوبصورت انداز سے پاکستان کے سیاسی اور معاشی حالات پر مدلل تجزیہ پیش کیا ہے وہ انتہائی قابل تحسین ہے مسعود صاحب نے یہ ثابت کردیا ہے کہ پی این اے کی نام نہاد "تحریک" جسے کہ جنرل صاحب نے حال ہی میں یہ سرٹیفکیٹ دیدیا ہے کہ وہ تحریک عوامی تھی۔ دراصل اس کے پیچھے امریکی ڈالروں کی جھنکار تھی اور توڑ پھوڑ کی منفی تحریک تھی۔ پی این اے کے مولویوں نے نظام مصطفیٰؐ کے نام پر عوام کو بے وقوف بنایا ان مولویوں کا کردار عوام کے سامنے اب ظاہر ہو چکا ہے یہ اسلام کے مقدس نام پر جھوٹ بولتے ہیں جمہوریت کے نام پر جمہوریت کشی کرتے ہیں امن کے نام پر ہنگامے کرواتے ہیں اور اتحاد کے نام پر نفرت پھیلاتے ہیں

(کے ایم شوقی اور ساتھی راولپنڈی)

پندرہ روزہ
شبنم
کراچی

جلد: ۸، شمارہ: ۲۰ ضمیمہ
۹ نومبر ۱۹۷۸ء
قیمت ۵ روپے

دفتر رابطہ
مطبوعات

۵-۶۹ ڈی: نرسری کمرشل ایریا، پی ای سی ایچ، ایس کراچی - ۲۹
فون: ۴۳۲۲۷۴

ایڈیٹر
وہاب صدیقی

ایسوسی ایٹ ایڈیٹر
راشد بشیر

کالم نگار
حسین نقی

دستاویزات
شبیہ الحسن

انتظامی امور
حاجی عدیل

سرورق
سعید الدین حسین

خاص مضامین

غیر ممالک

بیکنگ
رشید بٹ

ماسکو
محمد زاہد

کینیڈا
سعید ابن سعود

لندن
عبدالحفیظ قریشی

یورپ فاروق طارق

متحدہ عرب امارات
مقیم دوبئی
غلام جیلانی

ضلعی نمائندے

تھرپارکر
محبوب احمد

خیرپور، سکھر
جیکب آباد، لاڑکانہ
کامران اڑد

سانگھڑ
ایاز سندھی

ٹنڈو الہ یار
کامل سمرو

ملتان
ناصر زیدی

فیصل آباد
طارق سعید

گوجرانوالہ
محمد افضل حمزہ

ٹوبہ ٹیک
غیاث الدین جانباز

سرگودھا
الطاف چغتائی

دھاڑے
احسان ملک

گوادر
سلیمان شیرف

میانوالی
روشن ملک

آزاد کشمیر
سید نذیر گیلانی

اسلام آباد
ذوالفقار حیدری

صوبائی نمائندے

سندھ مقیم ٹنڈو الہ یار
محمد نواز خلجی

پنجاب مقیم لاہور
کاشف

سرحد مقیم پشاور
امان تاجک

بلوچستان مقیم کوئٹہ
ناصر عرفات

چیف ایڈیٹر
محمد صادق شبنم

پبلشر محمد صادق شبنم نے
انجمن پریس کراچی سے چھپوا کر
دفتر پندرہ روزہ شبنم ۵۱-ہ
ملٹ گرینڈ سٹریٹ کراچی سے جاری کیا

آپ عوام کے ترجمان نہیں

مارشل لا کابینہ کے وزیر دفاع میر علی احمد خان تالپور آج کل صوبۂ سندھ کا دورہ کر رہے ہیں۔ موصوف کا یہ دورہ کئی بار پروگرام کے اعلان اور پھر التوا کے اعلان کے بعد شروع ہوا ہے۔ ان کے بعض مخالفین یہ کہتے ہیں کہ دورۂ سندھ کے لئے یہ وقت اس لئے موزوں ہے کہ موجودہ حکومت کے مخالف سیاسی عناصر، خاص طور پر طلبا کی قیادت یا تو جیلوں میں بند ہے یا زیرِ زمین روپوشی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید یہ دورہ کچھ اور دنوں کے لئے ملتوی ہی رہتا۔ بہرحال غور طلب بات یہ نہیں ہے کہ دورہ کس وقت اور کن حالات میں ہو رہا ہے بلکہ میر صاحب کی وہ باتیں غور طلب ہیں جو مختلف مقامات پر سیاسی جلسوں میں کر رہے ہیں۔ اور یہ ثبوت فراہم کر رہے ہیں کہ مارشل لا کی سیاسی پابندیوں کا اطلاق مارشل لا کابینہ کے وزرا پر نہیں ہوتا۔ ویسے یہ ثبوت میر صاحب سے پہلے دوسرے وزرا اور خاص طور پر جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے وزرا دے چکے ہیں۔ ان جلسوں میں کی جانے والی باتوں میں دو باتیں خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ پہلی یہ کہ "۱۹۷۳ء کا آئین عوام کے لئے قابلِ قبول نہیں" دوسری یہ کہ "جنرل ضیا کی قیادت بھٹو کی قیادت سے بہتر ہے۔"

جہاں تک ۱۹۷۳ء کے آئین کا تعلق ہے اگر میر صاحب یہ دعویٰ کریں کہ انہیں یہ آئین قبول نہیں تو ایک صداقت کا اظہار ہوگا کیونکہ اسی عدمِ قبولیت کی وجہ سے انہوں نے اس آئین پر دستخط نہیں کیئے تھے۔ اسی بنا پر انہیں پورا پورا حق حاصل ہے کہ وہ اس آئین کی مخالفت کریں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میر صاحب کو عوام کی طرف سے بولنے بلکہ عوام پر تہمتیں لگانے کا حق کس نے دیا ہے؟ اگر ملکی سیاست میں فوج کو مداخلت کی دعوت دینے میں پہل کرنے کے صلے میں انہیں وزارتِ دفاع عطا ہوئی تو یہ معاملہ ان کے اور موجودہ حکمرانوں کے درمیان ہے، جس کے حسن و قبح پر عوام اس وقت فیصلہ دیں گے جب وہ اپنا یہ حق حاصل کر لیں گے۔ ویسے ہم میر صاحب کو یہ مشورہ ضرور دیں گے کہ اس موضوع پر ان لوگوں کی رائے پر بھی غور کر لیں جو ۱۹۷۷ء کی انتخابی مہم میں ان کے ساتھ تھے اور اب انہی کی طرح بہ فیضِ عطا مارشل لا کابینہ میں شامل ہیں۔ ملکی سیاست سے دلچسپی رکھنے والا ہر شخص اس حقیقت سے واقف ہے کہ ملک کی اکثریت اور تقریباً تمام سیاسی جماعتیں کم از کم بہ ظاہر ۱۹۷۳ء کے آئین کو برقرار رکھنے کے حق میں ہیں اور اس کی شکل مسخ کرنے کی ہر کوشش کی مخالف ہیں۔ اس کے برعکس صورت کو ملک کے مستقبل کو داؤ پر لگانے کے مترادف سمجھتی ہیں۔

جہاں تک قیادت یا قیادت کے موازنہ کی بات ہے تو منطق کا ایک اصول یہ ہے کہ دو متضاد چیزوں کو ایک ہی زمرے میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ میر صاحب کے سمجھنے میں آسانی پیدا کرنے کے لئے مثال کے طور پر اگر یہ کہا جائے ان کے کراچی یا حیدرآباد کے علاقے کا تھانے دار اُن سے بہتر قیادت فراہم کر رہا ہے تو کیا یہ درست ہوگا۔ ایک سرکاری ملازم کا ایک سیاستدان سے موازنہ کسی بھی اعتبار سے درست نہیں۔ اگر میر صاحب یہ موازنہ کروانا ہی چاہتے ہیں تو جنرل صاحب کو آمادہ کریں وہ سیاستدان بن کر آئیں۔ مارشل لا کی زرہ بکتر اتار کر،

"سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ"

منہاج برنا

سوچ رہا تھا کہ اس ہفتہ نصف پی این اے کے سربراہ مولانا مفتی محمود کے اس ٹیلی ویژن انٹرویو پر تبصرہ کروں جس میں انہوں نے الیکشن کے بغیر موجودہ مارشل لاء حکومت میں شرکت کی یہ توجیہہ پیش کی تھی کہ "ایسا ملک وقوم کے مفاد کے پیش نظر کیا گیا ہے"۔ بڑی دلچسپ توجیہہ ہے جس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے اور پوچھا جا سکتا ہے کہ ہمارے ملک میں آخر یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا کہ جب کبھی اپنے اصولوں سے انحراف کرنا ہو تو "قوم وملک کے مفاد" کی دہائی دے دی جاتے۔ پھر خیال آیا کہ پیر صاحب پگارا کی دھواں دھار پریس کانفرنس زیر بحث رہے مفتی صاحب اور کچھ دوسرے لوگوں نے مل کر صلح صفائی کرادی، کونسل کے اجلاس میں عدم اعتماد کی تحریک واپس لے لی گئی۔ لیکن ۳۶ گھنٹے بعد پیر صاحب نے ایک اور وار کر دیا، اور چودھری ظہور الٰہی اور میاں سرفراز سمیت سات افراد کے خلاف کارروائی کر ڈالی۔ یہ بھی دلچسپ موضوع ہے جس پر خامہ فرسائی کی جا سکتی ہے لیکن ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ آج پڑوسی ملک ایران کی تازہ ترین خبروں نے قومی صورت حال کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

ایران میں اب صورتِ حال اس تاریخی موڑ پر پہنچ گئی ہے جہاں شہنشاہ آریہ مہر کو اپنے بزورِ طاقت حاصل کئے ہوتے شاہی تخت سے دست بردار ہونا ہی پڑے گا۔ شاہ نے گذشتہ ربع صدی سے زیادہ عرصے میں تیل کی دولت اور امریکی تعاون کے ذریعہ جو خوفناک اور انسانی خون کی پیاسی ریاستی مشنری قائم کی تھی اور جس کے بل بوتے پر وہ اپنی شخصی حکومت کو قائم رکھے ہوتے تھے اب عوام کے طوفان کے سامنے لرزہ براندام نظر آتی ہے۔ اب ان کا آخری سہارا امریکی سامراج کی تربیت یافتہ فوج ہے۔ جسے وہ استعمال کر رہے ہیں انہوں نے کئی ہفتوں سے تقریباً پورے ملک ہی میں مارشل لاء نافذ کر رکھا ہے۔ لیکن ایرانی عوام بڑی بے جگری سے مارشل لاء کا بھی مقابلہ کر رہے ہیں سارے ملک میں مظاہروں اور ہڑتالوں کا سلسلہ جاری ہے۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں افراد جن میں مرد عورتیں اور بچے سبھی شامل ہیں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں۔ سب کی زبانوں پر ایک ہی نعرہ ہے "مرگ بر شاہ"۔ تیل کے کارخانوں میں گذشتہ کئی روز سے ہڑتال جاری ہے، پیداوار ٹھپ ہو گئی ہے اور امریکہ اور دوسرے ملکوں کے بڑے بڑے آئل ٹینکر تیل کی رسد کے منتظر کھڑے ہیں۔ ایرانین ایئرلائن کے طیارے ہڑتال کی وجہ سے جامد ہو گئے ہیں اور اب ٹیلی کمیونی کیشن کے ملازمین کی ہڑتال نے تمام مواصلاتی رابطوں کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔

ایران کے جلاوطن اور مقبول عوام شیعہ فرقہ کے مذہبی رہنما جناب آیت اللہ روح اللہ خمینی نے نیوز ویک کو اپنے ایک حالیہ انٹرویو میں ایک سوال کے جواب میں ایران کی صورتِ حال کو بڑی خوبصورتی سے پیش کر دیا ہے۔ امریکی جریدے نیوز ویک کی کی ایک خاتون نامہ نگار نے ان سے پیرس میں ملاقات کی اور سوال جواب کے دوران دریافت کیا کہ "آخر آپ کیوں شاہ کو مسندِ اقتدار سے ہٹانا چاہتے ہیں؟"

علامہ خمینی نے جواب دیا۔

"شاہ نے اقتدار عوام کی مرضی سے حاصل نہیں کیا تھا۔ شاہ اور خانوادۂ پہلوی بزورِ طاقت برسرِ اقتدار آتے تھے، شاہ نے ہمارے ملک کی معیشت کو تباہ کر دیا ہے اور ہمارے قومی وسائل بالخصوص تیل کو غیر ملکی صنعتی طاقتوں

(باقی صفحہ ۴۹ پر)

پہلے اپنے داغ ڈرائی کلین کروائیے

دال میں ایک کالا کنکر صاف نظر آ رہا ہے

بھٹو حکومت کے لیئے دردِ سر بننے کے بعد پیر پگارا موجودہ حکومت کے منہ کی چھچھوندر بن گئے ہیں جسے نہ اگلتے بن پڑ رہا ہے نہ نگلتے۔ پچھلے ہفتہ بھر پیر نے ایسی ایسی کرامات دکھائی ہیں کہ کچھ نہ پوچھیئے ایسے ایسے نام اور ایسے ایسے ادارے کا ذکر وہ اپنی زبان پر برملا لے آتے ہیں کہ لاہور میں ہر کوئی گھبرا جاتا ہے لیکن کچھ کرتے بن نہیں پڑ رہا ہے۔ پیر کو چھوڑیں تو کس کو پکڑیں۔ ان کے پاس تو حب الوطنی کا تازہ ترین سرٹیفکیٹ بھی ہے نظریہ پاکستان اور پاکستان کی نظریاتی سرحدوں سب کے وہ امین بنائے رکھے گئے یہ ایکا ایکی کیا ہوگیا کہ وہ بڑے چھوٹے صوبوں کے توازن کی اور میانہ رو سوشلزم سب کی ہی باتیں کرنے لگے۔

ان کو کوئی جھٹلا نہیں پا رہا۔ ملک قاسم بھی بس یہ کہہ سکتے ہیں کہ پیر صاحب بلیک میل کر رہے ہیں لیکن جن کسی کو کر رہے ہیں وہ منہ میں گھنگنیاں ڈالے کیوں بیٹھے ہیں۔ دال میں ایک کالا کنکر صاف نظر آ رہا ہے دراصل اب ۱۹۷۰ء نہیں ہے۔ اب باتیں کھل کر ہوتی ہیں اور کی جا سکتی ہیں۔ یہ بنگال نہیں ہے' پیر پگارا پر آپ بھارتی ایجنٹی کا لیبل چپاں نہیں کر سکتے۔ سلہری صاحب بھی ان کے لیئے وہ کچھ نہیں لکھ سکتے جو شیخ مجیب کے لیئے، بھٹو کے لیئے لکھا گیا۔ چھپا۔ پڑھا گیا اور جب یقین کیا گیا تو نتیجہ سامنے ہے۔

پیر پگارا نے جیسے کہتے ہیں۔ "وخت پادتا ہے" اور اب پنجاب میں دھڑے اور سازش کی سیاست کے تجربہ کنندہ میاں ممتاز محمد خان دولتانہ جو اس تمام کھیل میں پسِ پردہ سرگرم رہے ہیں نئے داؤں پیچ سوچ رہے ہیں دراصل وہ اپنے مقابل صرف مخدوم زادہ حسن محمود کو سمجھ رہے تھے اور پیروں کی کرامات سے یہ ان کا پہلا پہلا واسطہ ہے۔

پیر بھی ایسا جو "وچوں وچوں کھائی جا' اتوں رولا پائی جا۔" کے بجائے "وچوں' وچوں" کے بجائے کھلم کھلا اپنے تعلق کا اظہار کر رہا ہے۔ ایسا ڈھیٹ پیر اصل میں پنجاب بھر میں کوئی ہے نہیں اور اس معاملہ میں ہمیشہ کی طرح پھر میاں ممتاز دولتانہ سے چوک ہو گئی۔ اور بھی بہتوں سے ہوئی لیکن ہم کیوں کسی کا نام لیں ان کے آپس کے "اِٹ کھڑکے" میں کسی کو یہ کیا ضرورت ہے کہ وہ اپنی ٹانگ پھنسائے۔

ابھی ۲ نومبر کے لیئے راتوں کے جاگے پیر پگارا کے مخالف لیگیوں کی نیند بھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ کہ پیر پگارا نے شب خون مار دیا۔ دن دہاڑے انہوں نے ہفتہ کے روز ایک پریس کانفرنس میں مجلسِ عاملہ کے سات ارکان کو جن میں جنرل ضیاء کی سویلین کابینہ کے دو رکن رکین چوہدری ظہور الٰہی اور زاہد سرفراز بھی شامل ہیں معطل کر دیا۔ اور ملک قاسم کو یہ کہتے ہوئے چھوڑ دیا ہے کہ اگر "بٹیا ٹھیک راستے پر نہیں چلے گا تو پھر اس کو بھی سرزنش کی جائے گی۔" چوبیس گھنٹے گزرنے کے باوجود اس کالم کے لکھنے تک دوسرے کیمپ سے کوئی جوابی فائر نہیں سنا گیا ملک قاسم بھی ابھی تک غور کر رہے ہیں۔ اور میرے خیال میں اچھا کر رہے ہیں کہ اگر وہ اس کڑوی گولی کو نگل کر مسلم لیگ میں انتخاب کرا سکیں تو ان کی پوزیشن مستحکم ہو سکتی ہے ورنہ دو لیگیں بنانا مسلم لیگ کے سیاسی مفاد میں نہیں رہے گا۔ اور پیر پگارا تو صاف کہتے ہیں کہ اگر مسلم لیگ کو کوئی اور سربراہ چل سکتا ہوتا تو یہ سب پیر جو گوٹھ چل کر کیوں ان کو لانے جاتے۔ ان کا کھیل ذاتی بھی ہے اور کافی خطرناک حد تک سیاسی بھی۔ کہ پیر کی پوزیشن کچھ ایسی ہے کہ "چت بھی اپنی پٹ بھی اپنی۔" پیر اپنے قد و قامت کا تاوان وصول کرنے میں لگتے ہیں۔ ان خدمات کی بھی بمع بونس وصولیابی وہ کرنا چاہتے ہیں جو انہوں نے مارچ ۱۹۷۷ء کے بعد جولائی ۱۹۷۷ء تک اور اس کے کافی بعد بلکہ چند دنوں پیشتر تک سرانجام دی ہیں۔

ادھر ہمارے انارکسٹ بزرگ میر علی احمد خان تالپور نے ایک نیا پھڈا اڈال دیا ہے۔ ان کا ارشاد ہے ۱۹۷۳ء کا دستور ایک فرد کو مستحکم کرنے کے لیئے تھا۔ اور ان کے عوام اسے نہیں مانتے۔ ویسے میر صاحب نے اس پر دستخط بھی نہیں کیئے تھے بلکہ اجلاس سے واک آؤٹ بھی کیا تھا۔ تو بھائیو! جب ۱۹۷۳ء کا دستور ختم ہوا تو اس میں دی گئی صوبائی خود مختاری کی حد بھی ختم ہو گئی لیکن میر صاحب اب غالباً محض یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ صوبائی خود مختاری ختم ہو۔ یا جو وہ ان دنوں کہہ رہے ہیں ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ لیکن وہ چونکہ بالکل آزاد وزیر ہیں لہٰذا ہم تو شک کا فائدہ انہیں دے ہی ڈالیں کہ ممکن ہے وہ یہ کہہ رہے ہوں کہ بھائی تمام دستوری ڈھانچہ نئے سرے سے بنے گا جس کی جتنی اوقات ہو گی وصول کرے گا۔ کچھ مفتی محمود صاحب نے مسلم لیگ کے دھڑوں کی لڑائی وغیرہ سے متعلق یہ بھی کہا تھا کہ برادرانِ اسلام یہ راستہ انتخابات کو نہیں ترکستان کو جاتا ہے ترکستان کو جو دستوری راستہ جاتا ہے اس میں فوج کو اقتدار میں حصے کے ساتھ ساتھ قانون سازاداروں میں بھی حصہ ملتا ہے۔ لیکن ترکی میں تو کمال اتاترک ایک قوم بنا گئے۔ یہاں حالات وہ نہیں ہیں اور اقتدار میں فوج کے حصے کا مطلب صاف صاف پنجاب کے حصے میں بڑا اور سرحد کے حصے میں تھوڑا اضافہ ہے اور سندھ بلوچستان کے حصہ میں عملاً مزید کمی' خدارا' اس سے جنرل صاحبان باز رہیں۔ آدھا پاکستان رہ سکتا ہے اور مزید متحد کیا جا سکتا ہے لیکن اگر ترکستان کی راہ اختیار کی گئی تو نتائج سنگین ہوں گے۔ خون خرابہ ہو گا۔ پاکستان تباہ ہو گا

(باقی صفحہ ۴۸ پر)

پروگریسو پیپلز پارٹی کا قیام

اسلام آباد

ذوالفقار حیدری

پاکستان پیپلز پارٹی پر پابندی لگنے کا سگنل

پاکستان کی مارشل لاء حکومت نے آپریشن سویپ فور کا دائرہ کار اب آزاد کشمیر تک بڑھا دیا ہے اسی آپریشن کے تحت صدر پاکستان چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر چیف آف آرمی اسٹاف اور چیئرمین آزاد کشمیر کونسل نے آزاد کشمیر کے منتخب صدر سردار محمد ابراہیم کو یکایک ان کے عہدے سے برطرف کر دیا ہے سردار محمد ابراہیم کی صدارت پچھلے سال اگست میں آزاد کشمیر کی تمام جماعتوں اور خود جنرل ضیاء الحق نے آئندہ انتخابات تک جاری رکھنے کی حامی بھری تھی. سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر پھر کیوں جنرل ضیاء الحق اپنے معاہدے سے پھر کر ایک منتخب صدر کو برطرف کرنے کے ممکنہ غیر قانونی اور غیر آئینی اقدام پر مجبور ہوئے اس کا سیدھا سادا جواب ہے کہ "قانون ضرورت" بہر حال دس منٹ کے نوٹس پر آزاد کشمیر کے منتخب صدر کو ایوان صدارت سے باہر نکلوا دیا گیا. اور حیات محمد خان صاحب جو پہلے چیف ایگزیکیٹو تھے اب صدر آزاد کشمیر کے عہدے پر فائز ہیں بات آزاد کشمیر کے صدر سردار محمد ابراہیم کی ہو رہی تھی جو اب سابق ہو گئے ہیں. انہوں نے راولپنڈی کے ایک بڑے فیشن ایبل ہوٹل میں پریس کانفرنس میں دعویٰ کیا ہے کہ وہ اب بھی آزاد کشمیر کے صدر کے عہدے پر فائز ہیں ان کو یہ حکم غیر آئینی اور غیر قانونی طریقے سے دیا گیا ہے اور وہ اسے ہائیکورٹ میں چیلنج کریں گے. سردار محمد ابراہیم پر یہ وقت پہلی بار نہیں پڑا ہے. انہیں ۱۹۵۱ء میں بھی اسی طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا انہوں نے اس وقت جو کہا وہ اب بھی کہا ہے کہ وہ اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ جب اور جہاں چاہیں اپنی حکومت کا اعلان کر دیں آزاد کشمیر کی نازک پوزیشن کا خیال نہ کرنے والے طالع آزماؤں کو آزاد کشمیر کی اس حیثیت سے اور کشمیر لوگوں کے جذبہ حب الوطنی سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہیئے کہ اس کے نتائج کسی بھی حالت میں ملک اور قوم کے لیئے اچھے نہیں ہونگے.

قانون کی حکمرانی بحال کرنے ملک میں جمہوری اداروں کو تباہ ہونے سے بچانے اور آئین کی بالادستی بحال کرنے کا دعوای کرنے والی مارشل لاء حکومت اور اس نام پر اقتدار میں آنے والے جنرل ضیاء الحق اور ان کے حواری سیاسی وزیروں نے ملک میں مخصوص اخبارات پر سنسر عائد کیا ہے. اور اس طرح انہوں نے جمہوری اداروں. جمہوریت قانون کی حکمرانی اور بالادستی کو مضبوط کیا ہے. اخبارات پر عائد اس سنسر کی کیا حیثیت ہے ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے. البتہ یہ ضرور ہے کہ سنسر کے ذمہ دار افراد اس فریضہ کو انجام دینا نہیں چاہتے. اصل مسئلہ قابلیت کا ہوتا ہے جن لوگوں کو اخبار پڑھنے کی تمیز نہ ہو انہیں اخبارات کی ترتیب کا کام سونپ دیا جائے تو اس قسم کے معاملات پیدا ہوتے ہیں ہم نے پچھلے دنوں لکھا تھا کہ ایک ادنی سرکاری ملازم اخبارات سنسر کرتے ہیں. انہوں نے جب یہ پڑھا تو سخت "تکلیف" کا شکار ہو گئے اور اپنے دوستوں سے گلا کیا کہ دیکھو جی کیا میں 'ادنی' سرکاری ملازم ہوں. چوہدری صاحب سرکاری ملازم سارے 'ادنی' ملازم ہوتے ہیں بیوروکریسی جب تک خود کو آقا سمجھتی رہے گی اسے اسی طرح خواری ہوتی رہے گی. بہر حال اس جملہ معترضہ کے بعد کچھ باتیں سنسر شپ کے بارے میں. اخبارات' سب کو معلوم ہے کہ رات کو چھپتے ہیں سنسر کرنے والے افسران راتوں کو جاگنے کے عادی نہیں ہیں صبح اداروں کے جو افسر سنسر کرنے کے ذمہ دار ہیں ان کے گھر سے فون آنے شروع ہو جاتے ہیں کہ رات کے ۲ بجے ہیں جلدی آ جیئے سرکاری ملازم صاحب تو رہتے بھی دفتر میں ہی ہیں انہیں

فون آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا. ان کا چھوٹا بیٹا جو اخبارات پڑھنے کا شوقین ہے وہ وہی اخبارات ہیں جنہیں ان کے والد محترم اپنے ذاتی تعلقات کا حوالہ اور واسطہ دیکر ہر وہ خبر شائع کرنے سے روکتے ہیں جو ان کی ننھی سمجھدانی کے مطابق ان کے حاکموں کے مفاد کے خلاف ہوتی ہے. سمجھدانی تو اپنے محمود اعظم فاروقی صاحب کی بھی بہت ننھی سی ہے انہوں نے ریڈیو پاکستان کے ڈائریکٹر جنرل کو ایک خط لکھا ہے جسے انہوں نے اپنے مرچ مصالحہ کے بعد مختلف اسٹیشنوں کے ڈائریکٹروں کے نام بھجوا دیا ہے. مندرجات اس خط کے یہ ہیں کہ کوئی ایسی آیت کریمہ ریڈیو پاکستان کے کسی بھی پروگرام میں تلاوت نہ کی جائے جس کے معانی اور تفاسیر میں کوئی ایسی بات نکلتی ہو جو موجودہ حکومت کے خلاف جاتی ہو. گویا آجکل قرآن کریم بھی جماعت اسلامی کے وزیر اطلاعات و نشریات مسٹر محمود اعظم فاروقی کی زد میں ہے اور اس پر بھی سنسر عائد کر دیا گیا ہے تردید تو اس بات کی محمود اعظم فاروقی جاری کریں گے ہی کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا ہے ظاہر ہے کہ ان کا خط تو براہ راست اسٹیشن ڈائریکٹروں کے نام نہیں گیا ہے اس مقصد کے لیئے قاضی سعید صاحب نے اپنی خدمات بلا تکلف پیش کی ہیں تو مسٹر محمود اعظم فاروقی کی تردید ہماری سر آنکھوں پر. ویسے بھی وہ جماعت کے وزیر اطلاعات ہیں جس جماعت کا فلسفہ یہ ہے کہ جھوٹ بولا جا سکتا ہے. اجازت ہو تو پھر یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کیا ہو رہا ہے. بانی جماعت اسلامی مولانا مودودی کی تفہیم القرآن کی جلدیں آجکل سرکاری خرچ پر خرید کر

مغرب سے آنے والا یہ شخص اسلام کے بارے میں کیا بتا سکتا ہے: مفتی محمود

تقسیم کی جا رہی ہیں مگر یہ تقسیم اندھے کی ریوڑیوں کی سی ہے جو بانٹتا ہے تو اپنوں کو ہی بانٹتا ہے چنانچہ تفہیم القرآن جماعت اسلامی کے مسلمہ افراد کو فراہم کی جا رہی ہے کہ قیمت اس کی ہم جیسے غریب افراد کا خون نچوڑ اور چوس کر حکومت نے ٹیکسوں کی صورت میں جو رقم جمع کی ہے اس سے ادا کر دی گئی ہے۔

پاکستان قومی اتحاد کے غبارے کی پھونک جنرل ضیاء الحق صاحب نے بڑی خوبصورتی سے نکال لی ہے اور اب یہ غبارہ مارا مارا پھرتا ہے سربراہ پاکستان قومی اتحاد حال مقیم سی ایم ایچ راولپنڈی مولانا مفتی محمود اس بات پر سخت تپے ہوئے ہیں کہ جنرل ضیاء الحق صاحب نے ان سے صوبائی حکومتوں کے قیام کا وعدہ کرنے کے باوجود ان کے قیام میں کوئی دلچسپی نہیں لی ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر صوبوں میں حکومتیں قائم نہ ہوئیں تو ہم بلدیاتی انتخابات میں دلچسپی نہیں لیں گے۔ ہمیں مفتی صاحب کے بھولپن پر ہنسی آتی ہے مفتی صاحب بلدیات کے انتخابات ہو ہی کہاں رہے ہیں جنرل صاحب تو کہتے ہیں کہ بلدیاتی اداروں کے لیے نامزدگیاں کر دو۔ ہم پہلے ان اداروں کو قائم کرنا چاہتے ہیں ہمیں مفتی صاحب کے اس بھولپن پر بھی ہنسی آتی ہے کہ وہ انتخابات کا مطالبہ ایک ایسی حکومت اور ایک ایسے شخص سے کر رہے ہیں جو کہ خود انتخابات کے بغیر ملک میں حکمران ہے جنرل ضیاء الحق صاحب نے فرمایا ہے کہ موجودہ تمام نظام غیر اسلامی ہے اور آئندہ انتخابات اسلامی نظام کے تحت ہونگے۔ تو مفتی صاحب سب سے پہلے تو اس ملک میں جنرل ضیاء الحق صاحب کے کہنے کے مطابق سارا غیر اسلامی نظام بدلا جائے گا پھر انتخابات کی اگر اسلام کے اصولوں نے اجازت دی تو ہوں گے۔ ورنہ نامزدگیاں تو بلدیاتی اداروں کی سطح سے شروع ہونے والی ہیں۔ اس سے گو ٹال دیا جا سکتا ہے یوں بھی مثبت نتائج کا نام لیکر مطلوبہ نتائج صرف اس قسم کی نامزدگیوں یا انتخابات کے ڈھونگ سے ہی حاصل کیے جا سکتے ہیں کہ انتخابات جب بھی ہوئے ووٹ صرف پاکستان پیپلز پارٹی کو ہی پڑیں گے یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے دل سے اپنے جنرل صاحب سمیت ان کے تمام حواری تسلیم کرتے ہیں اوپر سے چاہے وہ کچھ ہی کیوں نہ کہتے ہوں۔ کہ حقیقت کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔

پاکستان قومی اتحاد کے سربراہ مولانا مفتی محمود اسلامی نظام کے نفاذ کے بارے میں جنرل ضیاء الحق اور ان کے ساتھیوں کی کوششوں کو تسلیم نہیں کرتے ان کا کہنا ہے کہ اگر یہ لوگ اس سلسلہ میں پرخلوص ہوں تو نظام اسلام کے نفاذ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے مفتی محمود نے کہا کہ الدوالبی کو بلا کر جنرل ضیاء الحق اور ان کے ساتھیوں نے نظام اسلام یا نظام مصطفےٰ کے مفاد میں کیا کوشش کی ہے مولانا مفتی محمود کے بقول "مغرب سے آنے والا یہ شخص ہمیں اسلام کے بارے میں کیا بتا سکتا ہے ہمارے پاس اس سے زیادہ پڑھے لکھے اور اسلام کے بارے میں اس سے زیادہ مستند افراد کی کمی نہیں ہے" مولانا مفتی محمود اور ان کی جماعت صدق دل سے یہ سمجھتی ہے کہ نظام اسلام کی جو تاویل اس وقت موجودہ حکومت کر رہی ہے وہ ہرگز نہیں ہے جس کے لیے پاکستان قومی اتحاد نے اس ملک کے کروڑوں عوام سے وعدہ کیا تھا وہ کہتے ہیں کہ نظام مصطفےٰ کی بجائے اب نظام اسلام جماعت اسلامی کے ذہن کے مطابق لانے کی کوشش کی جا رہی ہے جسے ہم کسی قیمت پر بھی کامیاب نہیں ہونے دیں گے جمعیت علمائے اسلام اور جماعت اسلامی کے درمیان دراصل اختلاف دین کے بعض بنیادی امور پر ہے جماعت اسلامی کو اب پہلی بار موقعہ ملا ہے کہ وہ اس ملک کے عوام پر اپنی مرضی کا ملکہ مودودی برانڈ اسلام ٹھونپ دے جس میں اسلام کے بنیادی اصولوں کو اہمیت نہ دی جائے۔

لیجئے اپنے مسٹر حیات محمد خان عرف کوثر نیازی عرف مولانا چھنی نے اپنے حواریوں کے ٹولے کا نام بدل کر پروگریسو پیپلز پارٹی رکھ دیا ہے تاویل اس تبدیلی نام کی یہ کی جا رہی ہے کہ بس عنقریب پاکستان پیپلز پارٹی پر پابندی عائد ہوا چاہتی ہے اور ہم اس پابندی کے اثرات سے پہلے ہی بچ جانا چاہتے ہیں انہوں نے اس سے بھی بڑھ کر یہ کیا ہے کہ پیپلز پارٹی کے پرچم پر بھی اپنا قبضہ جما لیا ہے پرچم میں سرخ کالے سبز رنگ اور تلوار کے ساتھ چاند تارے کا اضافہ بھی فرما دیا ہے انہوں نے اپنے حواریوں کے ٹولے کا ایک نعرہ بھی تجویز کیا ہے۔ انصاف روزگار عزت اور وقار۔ یہ ساری دکان اس لیے سجائی گئی ہے کہ جنرل ضیاء الحق مولانا چھنی کی اسی طرح جان بخشی کرتے رہیں جیسی کہ ماضی میں اب تک ہوتی رہی ہے عزت اور وقار مولانا چھنی نے اپنے نعرے میں اس لیے شامل کیے ہیں کہ جس شخص کو جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ اسی کے لیے لڑتا ہے۔ جدوجہد کرتا ہے اور اسے حاصل کر سکتا ہے ان کے حواریوں کو اور خود انہیں جس قدر ضرورت عزت و وقار کی ہے۔ وہ کسی کو بھی نہیں ہے۔ فرماتے ہیں ہم نے پارٹی کے معاشی پروگرام میں سے سوشلزم کا لفظ ساقط کر دیا ہے اور اس کی جگہ مساوات محمدی کو دی ہے سنا ہے کہ مولوی چھنی نے اپنے حواریوں کو اپنے دوست ملک محمد شریف کی نئی کوٹھی میں جمع کیا تھا۔ غالباً یہ دکھانے کے لیے کہ دیکھو اگر ہمارا ساتھ دیا تو یہ ٹھاٹھ باٹھ ہونگے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کا اجلاس بھی اسی روز منعقد ہوا۔ مسٹر یحییٰ بختیار نے اجلاس کی صدارت کی جو لوگ باقی بچ گئے ہیں وہ اجلاس میں شریک تھے مسٹر غلام مصطفےٰ جتوئی کی کوٹھی کے باہر اس سے تین گنا تعداد میں افسران اہلکار خاص پولیس اور دوسری ایجنسیوں کے کارندے موجود تھے جتنے ارکان اجلاس میں شریک تھے سردار خضر حیات نے اجلاس کے بعد اخبار نویسوں کو اجلاس میں منظور کی جانے والی قرارداد میں پڑھکر سنائیں پارٹی کی سینٹرل کمیٹی نے اپنے اجلاس میں فرائیڈے اور ویو پوائنٹ میں چھپنے والی اس خبر پر گہری تشویش کا اظہار کیا ہے کہ جماعت اسلامی نے پرامن شہریوں کو کچلنے اور ملک میں سول وار شروع کرنے کے لیے الشمس اور البدر کی طرز پر لٹھ بردار دستے قائم کیے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ان غنڈوں کو خود کار اسلحے سے بھی مسلح کیا ہے کمیٹی نے مطالبہ کیا کہ ۷ جولائی کے بعد گرفتار کیے جانے والے تمام افراد کو یوم ارکان سے پہلے پہلے رہا کر دیا جائے اور آپریشن سویپ فور کے جس سلسلے کو رانا شوکت محمود، بیگم نادرہ خاکوانی اور میاں مشتاق پگانوالا اور دوسرے کارکنوں کی گرفتاری کے ساتھ اب تک جاری رکھا گیا ہے اسے ختم کیا جائے اس سلسلہ میں سینٹرل کمیٹی نے کارکنوں سے کہا ہے کہ وہ گرفتار ہونے والے افراد کے نام سینٹرل کمیٹی کو بھجوائیں۔

◉

سفارتخانوں سے تمام سندھی "منسٹروں" کو سبکدوش کر دیا گیا

محمود اعظم فاروقی برطرف اور "بھرتی" کئے جانے والے سندھیوں کی تفصیلات بتاتے ہیں

نمائندہ خصوصی

سنتے آئے ہیں کہ جھوٹ کسی کی میراث نہیں، جو چاہے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ استعمال کر سکتا ہے، جھوٹ جماعت اسلامی، وہ بھی اس کے وزیر برائے اطلاعات محمود اعظم فاروقی کی میراث ضرور ہے وہ جس طرح چاہیں اسے استعمال کریں نہ فقط استعمال کریں بلکہ ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعے دن رات تشہیر بھی کریں اور ان کے جھوٹ کی نشاندہی کرنے والوں کو دھمکیاں بھی دے سکتے ہیں۔ سب سے مزے کی بات تو یہ ہے کہ فاروقی صاحب جو بھی جھوٹ بولتے ہیں وہ اسلام اور نظریۂ پاکستان کی آڑ میں بولتے ہیں کہتے ہیں "جو مجھے آنکھیں دکھا رہے ہیں وہ اسلام اور نظریہ پاکستان کے دشمن ہیں۔"

آجکل فاروقی صاحب کی سندھ پر کچھ نظرِ کرم زیادہ ہی ہے گذشتہ ایک دو ماہ سے سندھ کے کئی دورے کر چکے ہیں ایک طرف بے چارے وزیر دفاع میر علی احمد تالپور ہیں جو ایک کے بعد دوسرا دورہ ملتوی کرتے گئے۔ (اب جا کر انہوں نے دورہ کرنے کی ہمت باندھی ہے اور شروع کیا ہے) دوسری طرف فاروقی صاحب ہر ایک ڈیڑھ ہفتے کے بعد سارے سندھ کا چکر لگا آتے ہیں۔

فاروقی صاحب کے ان دوروں کے بارے میں ہمیں جو اطلاعات ملی ہیں ان کے کئی پُراسرار پہلو ہیں جن سے ہم آئندہ کسی وقت ایک ایک کر کے پردہ اٹھائیں گے فی الحال ہم فاروقی صاحب کے اس تابڑ توڑ بیان تک ہی اپنے آپکو محدود رکھنا چاہتے ہیں جس میں وہ ان لوگوں پر بہت گرجے برسے ہیں جو بقول ان کے پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ موجودہ حکومت پیپلز پارٹی کے نام پر سندھی ملازموں کو دھڑا دھڑ نکال رہی ہے فاروقی صاحب نے اول تو اس حقیقت سے ہی انکار کیا ہے کہ سندھی ملازموں کے خلاف کوئی اتنی بڑے پیمانے پر کارروائی نہیں کی جا رہی ہے دوئم انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ اگر کسی سندھی ملازم کو ملازمت سے نکالا بھی گیا ہے تو اس کی جگہ کسی سندھی ملازم کو ہی رکھا گیا ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم فاروقی صاحب کے ان دعوؤں کو حقیقتوں کی روشنی میں دیکھیں۔ ہم یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ سندھی ملازمین کے خلاف جتنی کارروائیاں کی جا رہی ہیں وہ سب موجودہ حکومت نے اس وقت جماعت اسلامی کے مشورے سے کی ہیں جبکہ جماعت ابھی باقاعدہ حکومت میں شامل نہیں ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں جماعت اسلامی کے مختلف رہنماؤں نے حکومت کے ساتھ مختلف شہروں میں جو خفیہ اجلاس کیئے ان میں ایسے "سندھی ملازموں" کی فہرستیں پیش کیں، جو ان کے نزدیک پیپلز پارٹی کے ایجنٹ ہیں یا اسلام اور پاکستان دشمن ہیں۔ اس سے قطع نظر ہم نقطہ بیاں ریکارڈ کی بات کرنا چاہیں گے اور فاروقی صاحب کی توجہ خود ان کے اپنے اخبار جسارت کی کالموں کی طرف دلائیں گے جن میں جماعتِ اسلامی کے مختلف رہنماؤں کے بیانات جسارت کے جماعتیے رپورٹروں کی خصوصی رپورٹوں اور خود جسارت کے اداریے میں بار بار حکومت کو یاد کرایا گیا ہے کہ وفاقی حکومت اور سندھ کی انتظامیہ کی ناکامی کا سبب انتظامیہ میں پیپلز پارٹی کے ایجنٹ اسلام اور پاکستان دشمن عناصر کی موجودگی ہے۔ اگر فاروقی صاحب چاہیں تو ہم جسارت میں شائع ہونے والے جماعتیے رہنماؤں کے بیانات خبروں اور اداریوں کے تراشے بھی پیش کر سکتے ہیں ان بیانات وغیرہ کا نشانہ زیادہ طور پر سندھی ملازموں کو ہی بنایا گیا۔ اس کی وجہ بھی سمجھ میں آتی ہے جماعت اسلامی سمجھتی ہے کہ سندھ کے عوام جماعت اسلامی کا

وجود برداشت کرنے کے لیئے تیار نہیں ہیں۔

توجناب آیئے سب سے پہلے فاروقی صاحب کے اس دعوے کی طرف کہ وفاقی اور صوبائی ملازمتوں سے سندھ کے ملازموں کی بڑے پیمانے پر برطرفی کی اطلاعات درست نہیں ہیں ــــ ہم سب سے پہلے فارن سروسز کا ذکر کریں۔ فارن سروسز میں ایک آسامی منسٹر کی ہے جو بیرونی ملک سفارتخانوں میں تعینات ہوتے ہیں موجودہ حکومت نے ایسے سب منسٹروں کو وہاں سے ہٹادیا۔ اور جواب گھر بیٹھے ہیں۔ یا اپنی اصل ملازمتوں پر واپس آگئے ہیں جن کے پاس سندھ کا ڈومیسائل تھا ان لوگوں کو ملک کے ترمیمی توانین کے تحت بھرتی کیا گیا تھا۔ فاروقی صاحب اور انکے حواری یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان لوگوں کو اس لیئے ہٹادیا کہ وہ اہل نہیں تھے۔ کیونکہ ان میں ڈاکٹر نبی بخش قاضی، الٰہی بخش سومرو، اور محمد صالح کرلوی جیسے لوگ تھے کیا فاروقی صاحب اور ان کے حواریوں میں ہمت ہے کہ وہ ڈاکٹر این لے قاضی کی اہلیت اور قابلیت پر انگلی اٹھاسکیں۔ جن کی قابلیت اور اہلیت بیرونی ملک بھی مشہور ہے ڈاکٹر قاضی صاحب ایران کے سفارتخانے میں منسٹر تھے۔ ڈاکٹر صاحب پاکستان کے صف اول کے دانشوروں میں گنے جاتے ہیں۔ شاید اس بات کی گواہی خود وفاقی وزیراے کے بروہی اور میر علی احمد تالپور بھی دے سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو اب فارن سروس سے ہٹاکر واپس سندھ یونیورسٹی بھیج دیا گیا ہے۔ اسی طرح الٰہی بخش سومرو صاحب سے بھی ہر ایک واقف ہے کہ وہ بھی ایک تجربہ کار سی ایس پی آفیسر تھے جن کو اہلیت کی بنا پر برطانیہ کے سفارتخانے میں منسٹر مقرر کیا گیا تھا۔ مگر وہ بھی تعصب پرستی کا شکار بن گئے۔ اس طرح محمد صالح کیرلو جو مصر میں پاکستان کے سفارتخانے میں منسٹر کی حیثیت سے اپنے فرائض بحسن وخوبی انجام دے رہے تھے۔ جماعت اسلامی کی سازشوں کا شکار بن گئے ہیں۔

اسی طرح فارن سروسز سے سندھ کا ڈومیسائل رکھنے والے ۵ تھرڈ سیکرٹریوں اور ایک کونسلر کو بھی بلاجواز ہٹادیا گیا جن کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں۔

تھرڈ سیکرٹری تنبیر علی شاہ، خادم حسین میمن، علی اکبر قریشی، قاضی کمال اور فدا حسین قادری اور کونسلر محمد رادل دریا مانی۔

اب آیئے فاروقی صاحب کے دوسرے دعوؤں کی طرف کہ جن سندھی ملازموں کو ہٹایا گیا ہے ان کی جگہ سندھی ملازموں کو ہی رکھا گیا ہے۔ فاروقی صاحب برائے مہربانی بتایئے کہ اوپر جن سندھی ملازموں کے نام دیئے گئے ہیں جو جماعت اسلامی کی سازشوں کا شکار بنے ہیں ان کی جگہ کونسے سندھ کا ڈومیسائل رکھنے والے ملازم رکھے گئے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ فاروقی صاحب بہت جلد اس سلسلے میں وضاحت کرینگے۔ یا استعفیٰ دے دیں گے۔ ہمارے پاس وفاقی حکومت سے ملازمتوں سے ہٹائے گئے سندھی ملازموں کی تفصیلات موجود ہیں مگر اس مرتبہ وفاقی حکومت کے نقطہ فارن سروسز کے بارے میں ہی تفصیلات جاری کررہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ فاروقی صاحب اپنی غلط بیانی پر سندھ کے عوام سے معافی مانگیں گے۔ ورنہ پھر وہ تفصیلات بھی جاری کردی جائینگی۔

جھوٹ بولنا

جماعت اسلامی کے

نزدیک جائز ہے

اب ذرا کچھ مختصر ذکر سندھ حکومت میں سندھی ملازموں کے خلاف کی گئی اس قسم کی کارروائیوں کا بھی ہوجائے۔ گذشتہ ۱۲ ماہ ہوئے سندھ کے سیکرٹری خوراک مقصود شیخ کو ہٹادیا گیا۔ اور گزشتہ ۳ ماہ سے ان کے خلاف نام نہاد انکوائری ہورہی ہے جس کا کوئی سرپیر نہیں ہے۔ ہوم سیکریٹری محمد خاں جونیجو کو ہٹاکر ان کی جگہ پہلے کنور ادریس اور اب مظہر رفیع کو مقرر کیا گیا جبکہ ان دونوں حضرات کے پاس سندھ کا ڈومیسائل نہیں ہے۔ سندھ کے اطلاعات کے سیکریٹری منظور آفندی اور سیکریٹری صنعت محمد خاں جاوڈ اکو سیکریٹری کے عہدوں سے ہٹایا گیا۔ آیئے ذرا ہم ایک نظر ڈالیں کہ سندھ کے سیکریٹریز میں ڈومیسائل کے نقطۂ نگاہ سے کیا تناسب ہے۔ اس کے علاوہ سندھ کا ڈومیسائل رکھنے والے آفیسرز منور احمد مغل، غلام حیدر عباسی، وغیرہ کو ڈی گریڈ کردیا گیا ہے۔ ہم اگر سندھ کے سیکرٹریوں میں سندھ کا ڈومیسائل رکھنے والے سیکریٹریوں کے پہلے اور اب کے تناسب کو دیکھیں گے تو ایک مزید ناانصافی کا پتہ چلے گا۔ آیئے ذرا اور دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ حال ہی میں سندھ حکومت میں کئی آسامیاں پیدا کرکے اس میں بیرون سندھ کے ڈومیسائل رکھنے والے صاحبان کو مقرر کیا گیا ہے جن میں اکثریت سابق اور موجودہ فوجیوں کی ہے مثلاً چیرمین انکوائری اور انسپکشن ٹیم کی نئی اسامی پیدا کرکے وہاں ایک صاحب بریگیڈیئر ظفر کو اور اس کا ممبر ایک اور صاحب بریگیڈیئر سجاد کو مقرر کیا گیا ہے ایڈیشنل سیکریٹری سروسز اینڈ جنرل ایڈمنسٹریشن کرنل جمیل کو مقرر کیا گیا ہے اسی طرح کیپٹن صدیقی کو لیبر سیکریٹری اور بریگیڈیئر پی بی جیلانی کو کے ایم سی کا ایڈمنسٹریٹر بنایا گیا ہے۔

آئین کے تحت سندھ کے اندر ملازمتوں میں سندھ رورل کا ریشو ۶۰ فیصد مقرر کیا گیا ہے۔ اوّل تو یہ ریشو کبھی نہیں تھا مگر جو کچھ تھا اس کو اب بڑی تیزی سے REVERSE کیا جارہا ہے۔ سندھ کا ڈومیسائل رکھنے والوں کو ہٹاکر بیرون سندھ کا ڈومیسائل رکھنے والے صاحبان کی تقرری کی جارہی ہے آیئے ذرا دیکھیں جس تناسب سے بیرون سندھ کے صاحبان کو سندھ کے اندر ملازمتوں پر مقرر کیا گیا ہے اس تناسب سے سندھ کے ڈومیسائل رکھنے والے دوسرے صوبوں میں بھی ہیں یا نہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ایسے فقط دو آفیسر ہیں جو سندھ کے ڈومیسائلڈ ہیں اور جنہیں دوسرے صوبوں میں مقرر کیا گیا ہے۔ جن میں ایک عثمان علی عیسانی اور دوسرے مسعود نبی نور ہیں۔

اس کے علاوہ ہمارے پاس جو اعداد وشمار ہیں ان کے مطابق رائس ملنگ کارپوریشن سے کوئی دو ہزار، کاٹن ٹریڈنگ کارپوریشن سے دوسو، ایس آر ٹی سی سے ۴ سو، ساسو سے ۲۵۰ سندھی ملازموں کو نکالا گیا ہے اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ان کی تفصیلات بھی ظاہر کرینگے۔ اب دیکھیں کہ فاروقی صاحب مستعفی ہوتے ہیں یا اس جھوٹ کا ازالہ کرتے ہیں۔

وزن چالیس پونڈ کم ہوگیا مسوڑے سوج گئے

بھٹو

کہتے ہیں کہ ....

۳ ستمبر ۷۷ء سے اب تک جیل میں کیا گذری

"میں جو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین مجریہ ۱۹۷۳ء کا خالق ہوں۔ مذکورہ آئین کی باضابطہ تدفین پر بہت افسردہ اور اُداس ہوں۔ کیا یہ آئین اس لئے دفن کیا گیا کہ اس کا خالق اس وقت موت کی کوٹھڑی میں بند ہے۔ یہ آئین تمام سیاسی جماعتوں کی اتفاق رائے سے بنایا گیا تھا اور یہ قوم کی امانت تھا۔ اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جس نے اس آئین کا جنازہ نکالا۔ اُس نے اسی آئین کے تحت حلف اٹھایا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ آئین موجود ہے اُس کی تدفین نہیں کی گئی۔ اس کے جواب میں یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ آئین کی دفعات دفاق کو نواب شاہ، لاہور، مردان یا خضدار میں عصمت دری کی اجازت نہیں دیتیں، اور نہ ہی لوگوں نے اس قوم کو اس لئے جنم دیا تھا کہ وہ مایوس ہوکر عین عالم شباب میں خود کو نذرِ آتش کرلیں اور موت کی آغوش میں چلے جائیں۔ حقائق بہت تلخ اور تُرش ہیں۔ اور وقت نے خطرناک دوراہے پر کھڑا کردیا ہے۔" یہ الفاظ معزول وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کے ہیں۔ جو انہوں نے اپنے ایک اُس قریبی دوست سے کہے جس نے حال ہی میں راولپنڈی جیل میں اُن سے ملاقات کی تھی۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے قریبی ذرائع بتاتے ہیں

لاہور چھاؤنی کے بنگلے کا انچارج کرنل یحییٰ خان کا بھانجا تھا

کہ مسٹر بھٹو کی صحت مسلسل گرتی جا رہی ہے۔ وہ بہت زیادہ کمزور ہو گئے ہیں۔ اور گرفتاری کے بعد سے اب تک اُن کا وزن ۳۰ پونڈ کم ہو گیا ہے۔ مسٹر بھٹو کے دانتوں میں تکلیف ہے۔ مسوڑھے سوج گئے ہیں اور اُن میں پیپ پڑ گئی ہے جس کی وجہ سے انہیں بات چیت کرنے میں بھی بہت دشواری اور تکلیف ہوتی ہے جیل حکام اُن کے علاج کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہے ہیں بلکہ انہیں ذہنی کوفت پہنچانے کے لئے نت نئے "ڈرامے" رچاتے رہتے ہیں۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۷۸ء اور پھر ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو شام ساڑھے چھ بجے مسٹر بھٹو کی کوٹھری کے پاس چند قیدیوں کو لایا گیا اور انہیں شدید زدوکوب کیا گیا۔ قیدی آہ و فغاں کرتے تھے" زور زور سے روتے تھے لیکن "جلادوں" کے ہاتھ تیزی سے چلتے رہے۔ قیدیوں کی چیخ و پکار اور فریاد اتنی دردناک تھی کہ کوٹھری میں بیٹھے ہوئے مسٹر بھٹو نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔

پیپلز پارٹی والے الزام لگاتے ہیں کہ ۱۲ ستمبر ۱۹۷۸ء کو مسٹر بھٹو نے سپرنٹنڈنٹ ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی کی وساطت سے ایک ارجنٹ ٹیلی گرام اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو بھیجا تھا۔ وہ ٹیلی گرام روک لیا گیا۔ حالانکہ بین الاقوامی قانون کے تحت سپرنٹنڈنٹ جیل کا فرض تھا کہ وہ مسٹر بھٹو کا ٹیلی گرام، سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ کو ارسال کرے۔

معزول وزیر اعظم مسٹر بھٹو کو مقدمہ قتل میں پہلی مرتبہ ۳ ستمبر ۱۹۷۷ء کو گرفتار کیا گیا تھا۔ درمیان میں تین دن کے لئے ضمانت پر رہا ہوئے۔ پھر گرفتار کر لئے گئے۔ اُس وقت سے وہ اب تک پسِ دیوارِ زنداں ہیں۔ ایک سال سے زائد عرصہ میں جیل میں اُن سے کس قسم کا رویہ برتا گیا۔ انتظامیہ نے انہیں خوفزدہ کرنے کے لئے کون سے حربے استعمال کئے۔ اس کے بارے میں مسٹر بھٹو نے اپنے قریبی دوستوں کو بڑی تفصیل سے بتایا ہے۔ ان دوستوں کے مطابق مسٹر بھٹو نے انہیں بتایا کہ ۳ ستمبر ۱۹۷۷ء (یہ ماہ رمضان تھا) کو صبح کاذب کے وقت "کمانڈوز" یعنی فوج کے جوانوں اور ایف آئی اے کے اہلکاروں کی

بھاری تعداد نے کراچی میں واقع میرے مکان ۷۰ کلفٹن پر دھاوا بولا۔ اور اسٹین گنوں اور دیگر خودکار ہتھیاروں کی نوک پر نہایت ڈرامائی انداز میں مجھے گرفتار کر لیا گیا۔ میری نوجوان بیٹیوں کو نہایت بدتمیزی سے نیند سے بیدار کیا گیا۔ انہیں خوفزدہ کیا گیا۔ ڈرایا گیا' میرے ملازمین کو شدید زدوکوب کیا گیا۔ اور تلاشی کے دوران ہمارے گھر کی ہر شے کو "اُلٹ پلٹ کر دیا گیا" گرفتاری کے بعد بذریعہ طیارہ مجھے لاہور لایا گیا۔ اور چھاؤنی میں واقع ایک فوجی بنگلے میں رکھا گیا یہاں کے انچارج ایک کرنل اور دو میجر تھے۔ بنگلے پر سخت پہرہ تھا۔ بری فوج کے تقریباً ۱۵/۲۰ جوان چوبیس گھنٹے بنگلے کی چار دیواری میں گشت کرتے رہتے تھے بنگلے کے سامنے واقع پارک میں فوجی گاڑیاں کھڑی تھیں اور لائیٹ آرٹلری متعین تھی۔ رات کے وقت بنگلے کے باہر بالکل تاریکی تھی اور بنگلے کے ہر کمرے میں ایک چھوٹا سا نیلا بلب جل رہا تھا جس کی وجہ سے ہر سُو تاریکی پھیلی ہوتی تھی۔ رات کے وقت گشت کرنے والے جوانوں کے بھاری جوتوں کی دھمک اور زمین کھودنے کی آوازوں کے سبب میں سو نہ سکا۔ زمین کھودنے کی آوازیں سن کر مجھے شیخ مجیب الرحمٰن کے وہ الفاظ یاد آ گئے جو انہوں نے جنوری ۱۹۷۲ء میں مجھ سے کہے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ ہر رات اُن کی کوٹھری کے باہر قبر کھودی جاتی تھی یہ نفسیاتی جنگ کا ایک حربہ تھا تاکہ انہیں خوف و ہراس میں مبتلا کیا جائے اور ان کے اعصاب جواب دے جائیں۔ مجھے اخبارات نہیں دیئے گئے۔ نہ کسی سے ملنے کی اجازت دی گئی۔ یہاں تک کہ میرے وکلا کو بھی اجازت نہیں دی گئی۔ کیونکہ جو کرنل اس جگہ کا نگران تھا۔ وہ جنرل یحییٰ خان کا بھانجا تھا۔"

مسٹر بھٹو بتاتے ہیں کہ "بلا نوٹس اور وکلا کی امداد فراہم کئے بغیر ۳ ستمبر ۱۹۷۷ء کی شب کو مجھے ایک مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔ غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے مجسٹریٹ کو بتایا گیا کہ مجھے ایف آئی اے کی تحویل میں رکھا گیا ہے۔ حالانکہ میں آرمی کی چوتھی کارپس کی تحویل میں تھا۔ ۴ ستمبر ۱۹۷۷ء کو ڈپٹی ڈائریکٹر ایف آئی اے عبدالخالق آیا۔ اور دھمکی دی کہ اگر میں نے "تعاون" نہ کیا۔ تو مجھے دردناک نتائج برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ اس تشدد آمیز دھمکی نے مجھے مشتعل کر دیا۔ اور میں اُس پر برس پڑا۔ چنانچہ وہ فوراً معافی مانگنے لگا۔ لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس صمدانی کے حکم کے تحت ۵ ستمبر ۱۹۷۷ء کو میرے وکلا کو مجھ سے ملنے کی اجازت دی گئی۔ اور اس کے اگلے ہی روز آرمی اور پولیس کی بھاری جمعیت کے پہرے میں مجھے کوٹ لکھپت جیل منتقل کر دیا گیا ستمبر ۱۹۷۷ء سے ۱۸ مارچ ۱۹۷۸ء تک مجھے قید تنہائی میں رکھا گیا۔ میرے سیل میں صفائی کا انتظام نہایت ناقص تھا۔ سخت بدبو آتی تھی، مچھروں اور مکھیوں کی بھرمار تھی۔ قید تنہائی کے یہ دن ناقابلِ فراموش ہیں۔ لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے سے تقریباً دس دن قبل جیل میں فوج کی موجودگی اور اُس کی سرگرمیوں نے پُراسرار فضا پیدا کر دی۔ پھانسی گھر کا متعدد بار معائنہ کیا گیا۔

اور صفائی ستھرائی کی گئی۔ اور یہ بھی پروگرام بنایا گیا۔ کہ "واقعہ" کے بعد غیر ملکی اور ملکی فوٹو گرافروں کو تصاویر اتارنے کی اجازت دی جائے۔ جیل کے ٹاورز پر "اک اک گنز" نصب کر دی گئیں۔ اور تمام جیل کو ایک اذیت خانے میں تبدیل کر دیا۔ جیل میں تو یہ حال تھا، اُدھر پورے ملک میں سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی گئی۔ اور اعلان کیا گیا کہ اس حکم کی خلاف ورزی کی صورت میں فوجی عدالتوں سے کوڑوں اور قید سخت کی سزائیں دی جائیں گی۔ علاوہ ازیں تھوک کے حساب سے گرفتاریاں کی گئیں۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور نے وسیع پیمانے پر گرفتاریوں کا حکم جاری کرتے ہوئے، اپنے حکم نامے میں صاف طور پر لکھا۔ لاتعداد شہریوں کی گرفتاری اس لئے ضروری تھی کہ لاہور ہائی

جیل میں بھٹو کی کوٹھری کی چھت پر پتھر پھینکے گئے

کورٹ سے میرے مقدمے کا فیصلہ سنایا جانے والا تھا۔ فیصلے کے اعلان سے دو دن قبل پورے لاہور کو ایک فوجی بیرک بنا دیا گیا۔ جگہ جگہ مسلح محافظ کھڑے تھے۔ ان اقدامات کا مقصد عوام کو خوفزدہ کرنا تھا۔ ۱۸، مارچ ۱۹۷۸ء کو جب مجھے ہائی کورٹ لے جایا گیا تو راستے میں طاقت کے بے رحمانہ اور بہیمانہ مظاہرے کو دیکھ کر حیران ہو گیا۔ ہائی کورٹ نے پھانسی کی سزا سنائی۔ عدالت سے واپسی پر بند گاڑی میں مسلح پولیس والوں نے مجھے اس طرح اپنے گھیرے میں لئے رکھا کہ بندوقوں کی نالیاں میرے سینے اور کندھوں کو چھو رہی تھیں۔ اور پہیلی کاپٹر اُڑ رہے تھے جیل کے باہر فوج کی پوری طاقت موجود تھی۔ کھلی جگہ پر فوجی کیمپ لگا دیئے گئے تھے۔ اور جیل جانے والی سڑک پر رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں تھیں۔ اور جب کار کے لئے جیل کا پھاٹک کھولا گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ ساری فوجیوں سے بھری ہوئی تھی"۔

پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر بھٹو مزید بتاتے ہیں کہ "اسی دن سہ پہر کو مجھے موت کی کوٹھری میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں مجھے شب و روز ۲۴ گھنٹوں میں سے ۲۳ گھنٹے فولادی زنجیروں میں جکڑ کر رکھا جاتا۔ اب بھی کلائیوں پر نشانات موجود ہیں۔ جو ان "پرمسرت ایام" کی یاد دلاتے رہتے ہیں۔ ۲۱، اپریل ۱۹۷۸ء کی رات کو چھاپہ ماروں نے کچھ مشقیں کیں۔ وہ میری کوٹھری کی چھت پر چڑھ گئے۔ بعض دیواروں پر کھڑے نظر آئے۔ اسی طرح کا "جنگی کھیل" ۲۵، اپریل ۱۹۷۸ء کی شب کو بھی کھیلا گیا۔ وسیع پیمانے پر گرفتاریوں کی لہر کے دوران میرے ڈینٹل سرجن ڈاکٹر ظفر نیازی کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ جس کے سبب میرے دانتوں کا علاج معطل ہو گیا۔ اس سے بہت عرصے قبل ڈاکٹر نصیر شیخ کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا، جو میرے معالج ہیں۔ لاہور میں موت کی کوٹھری میں بے پناہ گرمی، حفظانِ صحت کے منافی ماحول، مکھیوں، مچھروں اور کیڑے مکوڑوں سے مجھے سخت بخار ہو گیا اور چند قے بھی ہوئیں جس کی وجہ سے دو رات میں نیم بے ہوش رہا۔ موسم سرما میں دو مرتبہ ملیریا ہوا معدے میں گرانی اور سر میں شدید درد رہنے لگا۔ مزید یہ کہ سینے میں بھی شدید درد ہونے لگا۔ تین مرتبہ مجھے خون کی قے ہوئیں۔ اور ناک سے بھی خون نکلا۔ گرفتاری کے بعد سے اب تک میرا وزن چالیس پونڈ کم ہو گیا ہے"۔

یہ تو تھے کوٹ لکھپت جیل کے حالات، ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی میں مسٹر بھٹو کے ساتھ جو رویہ روا رکھا جا رہا ہے۔ یہ بھی اُن کی ہی زبانی سنیئے۔ وہ بتاتے ہیں کہ "۱۷، مئی ۱۹۷۸ء کو مجھے راولپنڈی ڈسٹرکٹ جیل لایا گیا۔ اس جیل کے قریب ہی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا محل واقع ہے۔ جیل حکام نے شاید ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مجھ پر "ذہنی تشدد" کی انتہا کر دی۔ چنانچہ مجھے گذشتہ چار ماہ کے دوران دو مرتبہ

جنرل ضیا فیلڈ مارشل بننے والے ہیں

نمائندہ خصوصی

باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مارشل لاء کابینہ کے چند اراکین نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ کابینہ کے آئندہ اجلاس میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق کو فیلڈ مارشل بنانے کی سفارشی قرارداد پیش کریں گے۔ کہا جاتا ہے کابینہ جنرل ضیاءؒ کے فیلڈ مارشل کا منصب سنبھال لینے پر زور دے گی۔ مبصرین کا خیال ہے کہ جنرل ضیاء اپنی کابینہ کے فیصلے کو تسلیم کر لیں گے۔

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جب ایوب خان نے اکتوبر ۱۹۵۸ء میں مسندِ اقتدار پر قبضہ کیا تھا، تو وہ جنرل تھے، لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد وہ فیلڈ مارشل بن گئے تھے۔ وہ فیلڈ مارشل کس طرح بنے۔ اس کے بارے میں ریکارڈ یہ ہے کہ ایوب خان، اپنی کابینہ کے اجلاس کی صدارت کر رہے تھے۔ کہ اچانک کابینہ کے رکن جنرل اعظم نے ایوب خان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "صدرِ محترم! از راہِ مہربانی آپ ۵ منٹ کے لئے کمرے سے باہر چلے جائیں۔ کابینہ کو آپ کے بارے میں ایک اہم فیصلہ کرنا ہے"۔ ایوب خان مسکراتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے اور جب ۵ منٹ کے بعد دوبارہ آئے۔ تو جنرل اعظم نے کہا صدرِ محترم! آپ کی خدمات کے پیشِ نظر، جو آپ نے ملک اور قوم کے لئے انجام دی ہیں، کابینہ نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ کو فیلڈ مارشل بنا دیا جائے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آپ کابینہ کے فیصلے کا احترام کریں گے"۔ بتایا جاتا ہے کہ ایوب خان مسکرائے اور بولے کہ "اگر کابینہ سمجھتی ہے کہ مجھے فیلڈ مارشل بنایا جانا ملک اور قوم کے مفاد میں ہے تو میں یہ منصب سنبھالنے کے لئے تیار ہوں"۔ اس طرح ۵ منٹ ہی میں ایوب خان جنرل سے فیلڈ مارشل بن گئے تھے۔ اور صدارت سے علیحدہ کر دیئے جانے کے بعد بھی آخری سانس تک بنے رہے۔

مجبوراً بھوک ہڑتال کرنی پڑی۔ سپریم کورٹ آف پاکستان کے حکم پر میرے طبی معائنہ کے لئے دو ڈاکٹروں پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیا گیا۔ میرا اندازہ ہے، کہ اس بورڈ نے ۴ اگست ۱۹۷۸ء کو اپنی رپورٹ پیش کر دی تھی، جس میں سفارش کی گئی تھی کہ سات سے نو مکمل میڈیکل ٹسٹ ہونے چاہئیں۔ ایک عام فہم آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایسے ٹسٹ ہسپتال کے علاوہ اور کسی جگہ نہیں ہو سکتے، خصوصاً موت کی کوٹھری میں تو بالکل نہیں ہو سکتے۔ لیکن ڈاکٹروں کی رپورٹ پر عمل درآمد نہیں کیا گیا جس کے نتیجہ میں بخار رہنے لگا۔ قے بھی ہوتیں اور خون بھی تھوکا۔ ۲۵ اگست ۱۹۷۸ء کی شب کو میں نے اپنے مسوڑھوں میں سوجن محسوس کی، اُن سے خون اور پیپ بہہ رہا تھا۔ اور شدید درد تھا۔ اگلے دن "ہفتہ وار ملاقات" پر میری بیٹی ملنے آئی تو گفتگو کے لئے میں بمشکل منہ کھول سکا۔ وہ میری حالت دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ اُس کے اصرار پر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل کو بلوایا گیا اور اُسے بتایا گیا کہ دانتوں کے علاج کے لئے ڈاکٹر بلایا جائے۔ اسی رات کو آرمی کے ڈینٹل ڈاکٹر میجر حنیف خٹک آئے انہوں نے میرا معائنہ کیا اور کہا کہ حالت تشویشناک ہے۔ انہوں نے چند ادویات دیں اور کہا کہ چند دنوں کے بعد پھر آؤں گا۔ اگر سوجن کم نہ ہوئی تو ہسپتال میں منتقل کرنے کی سفارش کروں گا۔ چھ دن گذر گئے۔ لیکن ڈاکٹر دوبارہ نہیں آیا۔

باآخر ۳ ستمبر ۱۹۷۸ء کو میں نے جیل انتظامیہ سے رجوع کیا۔ کہ وہ آرمی کے ڈینٹل ڈاکٹر کو بلوائے۔ اُسی شام کو ڈینٹل ڈاکٹر میجر حنیف خٹک کی بجائے دوسرے ڈاکٹر کو لایا گیا۔ جس پر میں نے اعتراض کیا کہ ہر مرتبہ

ہسپتال میں منتقل کرنے کی بجائے ہر مرتبہ ڈاکٹر تبدیل کر دیا جاتا ہے!

ڈاکٹر کو تبدیل کر دینا مناسب نہیں ہے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ میرے ڈینٹل سرجن ڈاکٹر ظفر نیازی کو جب گرفتار کیا گیا تو میں نے کہا تھا کہ کراچی سے ڈینٹل سرجن بلایا جائے۔ لیکن میری درخواست مسترد کر دی گئی، اور اُس کی جگہ فوج کے ڈاکٹر کو بھیجا گیا۔ اب دوسرا ڈاکٹر بھیجا گیا ہے۔ اس کی وجہ بتائی جائے۔ معلوم ہوا کہ آرمی کے ڈاکٹر نے بھی مجھے ڈینٹل کلینک منتقل کرنے کی سفارش کی تھی۔ ۹ ستمبر ۱۹۷۸ء کو صوبائی انتظامیہ کے ایک سول ڈینٹل سرجن ڈاکٹر رشید میری کوٹھری میں آئے۔ انہوں نے میرے دانتوں کا اور مسوڑھوں کا معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ وہ موت کی کوٹھری میں میرا علاج نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ مجھے ہسپتال منتقل کرنے کی سفارش کریں گے۔ اس کے بعد ڈاکٹر رشید پھر کبھی نظر نہیں آئے۔ اور نہ کوئی دوسرا ڈاکٹر آیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دانتوں اور مسوڑھوں میں مزید تکلیف بڑھ گئی۔ دراصل میری حالت ایسی ہے کہ ہر وہ ڈاکٹر جو اپنے پیشہ سے دیانت دار ہوگا لازماً مجھے ہسپتال میں منتقل کرنے کی سفارش کرے گا۔ نجانے انتظامیہ مجھے ہسپتال منتقل کرنے سے کیوں گھبراتی ہے۔ میں بیرونِ ملک نہیں اپنے ہی ملک کے ہسپتال میں علاج کرانا چاہتا ہوں۔ ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے ہسپتال کا محاصرہ کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ کھاریاں سے ایک بکتر بند ڈویژن بھی بلوایا جا سکتا ہے۔ اور اگر ہسپتال پر پہرہ نہ لگایا جائے تب بھی میں فرار نہیں ہوں گا۔ بھلا میں اپنے ملک کو کیونکر چھوڑ سکتا ہوں۔ اپنے عوام سے کیسے بھاگ سکتا ہوں۔ یہ تو ہے جسمانی اذیت، ذہنی اذیت پہنچانے کے لئے بھی مختلف حربے استعمال کئے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک رات میری کوٹھری کی چھت پر پتھر پھینکے گئے اور اگلی رات کوٹھری سے متصل ٹین کے سائبان پر چھلانگیں لگائی گئیں۔ جیل میں مجھ سے جس قسم کا رویّہ برتا جا رہا ہے۔ اس کا مقصد یہی ہے کہ میں موت کی کوٹھری ہی میں مر جاؤں۔"

میانوالی ● روشن ملک

ڈنڈا فورس کے کارکن سرکاری گواہ بن گئے

پیپلز پارٹی اور ترقی پسند جماعتوں کے متعلق کارکنوں اور رہنماؤں کی جدوجہد کو موجودہ انتظامیہ نے کچلنے کا جو تہیہ کر رکھا ہے اس میں ملک کی سب سے اہم رجعت پسند فاشسٹ تنظیم جماعت اسلامی بھی اپنا عوام دشمن کردار ادا کرنے میں پوری طرح مصروف عمل ہے۔ یہ جماعت جو اس سے پہلے صرف پیپلز پارٹی کے کارکنوں کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھی اور انتظامیہ کو صرف رہنماؤں اور کارکنوں کی نشاندہی کرنے میں مصروف تھی جو موجودہ حالات میں ملک میں آئین، جمہوریت کی بحالی، انتخابات کے انعقاد کے مطالبہ اور دیگر عوامی مسائل کے حل کے لئے جدوجہد میں مصروف ہیں، لیکن اب اس فاشسٹ تنظیم نے قومی اتحاد کی تمام رجعت پسند تنظیموں سے بڑھ کر کام شروع کر دیا ہے اور تمام دائیں بازو کی تنظیموں سے زیادہ ترقی پسند خیالات کے لوگوں کو کچلنے میں مصروف ہے۔ جماعت اسلامی نے اپنے کارکنوں پر مشتمل ڈنڈا فورس تشکیل دی ہے جو شہروں میں پولیس اور دیگر ریاستی مشینری کے ساتھ تشدد کرنیوالا ذلت آمیز اور عوام دشمن رول ادا کر رہی ہے اس کے ساتھ جماعت اسلامی کے تنخواہ دار ارکان گرفتار شدہ عوامی اور ترقی پسند کارکنوں اور رہنماؤں کے خلاف چلائے جانیوالے مقدمات میں جھوٹے گواہ بن کر انہیں سزا کرواتے ہیں اور پوری طرح حکومت کے گواہ بنے ہوئے ہیں۔

اس کا انکشاف بھکر میں ۱۵ اکتوبر کو گرفتار کئے جانیوالے چھ کارکنوں کے مقدمات میں ہوا ہے جب ترقی پسند کارکنوں کے مقدمات ملٹری کورٹ سرگودھا میں سماعت کے لئے پیش ہوئے تو جماعت اسلامی بھکر کے ایک تنخواہ دار ملازم نے ان کارکنوں کے خلاف گواہی، جماعت اسلامی کا یہ کارکن پی این اے کی گزشتہ سال کی تحریک میں باقاعدہ جماعت کے ایک مالدار شخص سے ماہانہ چار سو روپے ماہوار کے عوض جیل گیا۔ اب بھی چار سو روپے ماہوار پر جھوٹی گواہیاں دے رہا ہے۔ یہ امر بھی دلچسپی کے قابل ہے کہ بھکر کے گرفتار شدہ رہنماؤں اور کارکنوں کے خلاف مقدمات کی سماعت میں سرکاری گواہوں کو جس کار (ویگن) میں لے جایا گیا وہ کالونی تھل ٹیکسٹائل ملز بھکر کی انتظامیہ نے فراہم کی۔

فوجی حکومت اپنے نظریات سے اختلاف کرنے والی

سیاسی جماعتوں پر پابندی لگا دے گی — !

فوجی حکومت کے اقتدار میں تسلسل اور سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی رہائی کے لیے ایک اور کوشش کو فوجی حکومت نے بڑے پیمانے پر جوابی کارروائی کر کے کم از کم فی الحال تو روک لیا ہے جنتا کی مزاحمت میں مرکزی نکتے کی حیثیت حاصل کر جانے والی ان کی بیٹی کی گرفتاری کے بعد اوائل اکتوبر میں ملک بھر میں بھٹو کی پیپلز پارٹی کے اراکین کو گرفتار کر لیا گیا ہے جن کی تعداد "تا حال نامعلوم ہے

اس رپورٹ کی تحریر سے قبل کے دس دن کے اندر اندر پی پی پی کے مستقل سیکریٹری جنرل اور ان کے بعد آنے والے ان کے جانشینوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ پی پی پی اصلی اعلیٰ کمان کے ۳۳ میں سے صرف ۵ جیل سے باہر ہیں۔ صرف یہی افراد نہیں بلکہ ان کے بعد جانشینوں کو بھی یکے بعد دیگرے گرفتار کر لیا گیا ہے۔

اکتوبر کی ابتدار سے پورے ملک میں رات گئے پولیس کے چھاپوں میں پی پی پی کے اندازوں کے مطابق اس کے گرفتار ہونے والے اراکین کی تعداد تقریباً ۱۰،۰۰۰ ہزار سے زیادہ ہے اس تعداد کی تصدیق یا تردید حکومت کی طرف سے نہیں ہوئی ہے۔ جو لوگ سیاسی سرگرمیوں پر پابندی کی خلاف ورزی کرتے ہیں انہیں ابھی تک جیل اور کوڑوں کی سخت سزائیں دی جا رہی ہیں۔

صوبہ سرحد کے سابق گورنر جنرل نصیر اللہ بابر جو شجاعت کے اعلیٰ ترین اعزاز ہلال جرأت کمان کی سطح پر حاصل کر چکے ہیں انہیں بھی جیل میں "سی کلاس" دی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے وہی سلوک کیا جا رہا ہے جو سزا یافتہ افراد سے کیا جاتا ہے مزید یہ کہ ایک تازہ مارشل لاء ضابطے

پیپلز پارٹی کے دس ہزار سے زائد کارکن گرفتار کر لئے گئے

کے ذریعے حکومت نے یہ اختیار حاصل کر لیا ہے کہ وہ پی پی پی کے سرکش عناصر کی تمام املاک ضبط کرے۔

ابھی تک پی پی پی کی طرف سے احتجاج کی مختلف صورتوں کی طرف حکومت کا عام ردّعمل "ڈریکونین" اقدامات میں تیزی کا رہا ہے۔ کوڑوں کی سزا کے سلسلہ میں بعض صورتوں میں ۱۰ کوڑوں کی عام سزا کو ۲۸ کوڑوں تک بڑھا دیا گیا ہے۔ ان ۷ افراد میں سے جنہوں نے خود کو آگ لگالی تھی، ۳ ہلاک ہو چکے ہیں ایک اسپتال میں ہے۔ ۲ کو اسپتال سے واپسی کے بعد قید اور کوڑوں کی سزا سنادی گئی ہے حکومت کے مسلسل سخت رویے کی ایک وضاحت

نے چند ماہ پیشتر وزیر قانون اے کے بروہی نے کی جب کہ انہوں نے دورے پر آئے ہوئے سابق امریکی اٹارنی جنرل رمیزے کلارک سے پوچھا "ایک پاگل کتے کے ساتھ آپ اور کیا کرینگے؟"

فوجی حکومت خود سوزی کا سبب یہ بتاتی ہے کہ پی پی پی کی طرف سے بڑی بڑی رشوتیں دی جاتی ہیں اور یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ آگ کے کوئی واقعی نقصان پہنچنے سے پہلے ہی انہیں بچا لیا جائے گا مگر ایسے واقعات کے جو مہلک نتائج اور جنکی اچھی طرح تشہیر ہوئی ہے اس کے بعد جانیں بچانے کا کوئی وعدہ قابل اعتبار نہ ہوتا۔

پاکستان قومی اتحاد (پی این اے) کے کارکنوں نے مختلف مقامات پر حکومت سے پی پی پی کے سرگرم کارکنوں کی مخبری کرنے کے لیے خفیہ کمیٹیاں قائم کی ہیں خاص طور پر بعض اوقات اس موقع کو ذاتی جھگڑے نمٹانے کے لیے غلط طریقے پر استعمال کیا گیا ہے کیونکہ بعض قطعی غیر سیاسی افراد کی گرفتاری کی شکایات بھی ملی ہیں۔ پی این اے کے سربراہ مفتی محمود نے اپنے ۱۱ اکتوبر کے بیان میں پی پی پی سے ہمدردی رکھنے والی مطبوعات پر لگائی گئی سنسر شپ کی حمایت کی ہے۔ ان اخبارات کے تین روزہ ہڑتال پر جانے سے پہلے آدھا درجن اخبارات ایسی صورت میں شائع کہ سنسر کی وجہ سے ان کے پہلے اور آخری صفحات پر کافی جگہ سادہ تھی۔

زیادہ اہم بات یہ ہے کہ فوجی حکومت نے اب اپنی اس نیّت کا اظہار کر دیا ہے کہ وہ ان تمام سیاسی جماعتوں پر جو اسکے نظریے (جسے اسلام اور تصوّرِ پاکستان کہا جاتا ہے) سے اختلاف رکھتی اور غیر ملکی فلسفوں کا پرچار کرتی ہوں، پابندی لگانا چاہتی ہے۔ پی پی پی اور ولی خان کی نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی اپنے سوشلسٹ دعووں کی بنا پر نمایاں طور پر ایسی پابندی لگائی جانے کی اہل ہیں یہ بائیں بازو والوں کی اس تنقید کے باوجود ہے کہ وہ جماعتیں اپنے "اصلی رجعت پسند چہروں" کو چھپانے کے لیے سوشلزم کو پردے کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔

اگر مارکسی معیار پر جانچا جائے تو یہ دونوں پارٹیاں صحیح معنوں میں سوشلسٹ نہیں ہیں یورپی معیار پر جانچا جائے تو یہ پارٹیاں برطانیہ کی حکمران جماعت لیبر پارٹی یا مغربی جرمنی کی برسرِ اقتدار سوشلسٹ حکومت سے زیادہ انتہا پسند نہیں۔ پھر بھی خاص طور پر پی پی پی جس نے پانچ سال تک حکومت کی ان امیر پاکستانیوں کو کمیونسٹ طرز کی نظر آتی ہیں۔ جو جارج پاپنک (پاکستان پلاننگ کمیشن میں ہارورڈ ایڈوائزری گروپ کے لمبے عرصے تک سربراہ) کے الفاظ میں اب بھی استحصال کو بہترین ریاستی فلسفہ سمجھتے ہیں۔

عالمی تناظر میں بھٹو کا رویہ اصلاح پسندی اور مقبولیت حاصل کرنے سے زیادہ نہیں تھا۔ لیکن اس کے ہم وطنوں کے لیے یہ پرکشش تھا۔ اس لیے کہ ریاست پر اثر انداز ہونے والا یہ پہلا سیاستدان تھا اور اپنے بے ربط انداز میں اس ناگزیر اصول پر عمل بھی کیا کہ پاکستان اسوقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کے مفلوک الحال عوام کے لیے صدیوں پرانے استحصالی نظام کی شدت کو قابل برداشت نہ بنایا جائے۔

بھٹو نے نسبتاً زیادہ غربت زدہ دیہی علاقوں سے روپے کی منتقلی کی رفتار کو سست کیا۔ دیہی علاقوں (جو ملک کی ۸۰ فیصد آبادی پر مشتمل ہیں) کی قوت خرید میں قابل ذکر اضافہ کیا۔ عوام کی اکثریت کو نچلے درجے کی آمریت سے بچانے کی چند کوششیں کیں۔ اور سماج کے نچلے درجوں میں حقوق سے ایک مضبوط آگاہی پیدا کی۔ بے زمین کسانوں اور صنعتی مزدوروں کے حقوق و مراعات کے لیے ایسے قوانین وضع کیے کہ ان کی بے دخلی اور برطرفی ناممکن ہو جائے۔

اس کے ناقدین یہ دلیل دیتے تھے کہ اس نے اس طرح انتشار کی طاقتوں کو بے لگام کر دیا۔ کیونکہ اس نے اسی مناسبت سے فرائض سے آگاہی پیدا نہیں کی جس کے بغیر حقوق پر اصرار نے سماج کی اقتصادیات کو تباہ کر دیا۔ دوسری تنقید یہ تھی کہ اس نے کچھ پیدا کیے بغیر عوام کو دیا۔ اور جو کچھ اس نے دیا وہ ریاست کی ملکیت نہیں تھا۔ بلکہ سماج کے بالائی دھڑوں کی ملکیت تھا۔

بھٹو کی مقبولیت کی برقراری کی ایک وضاحت ضیاء کی اسلامی نظریے کی کونسل کے چیئرمین جسٹس محمد افضل چیمہ نے ایک حالیہ اخباری انٹرویو میں کی ہے یہ اعتراف کرتے ہوئے کہ بھٹو نے اپنے دور میں چند اچھے کام بھی کیے ہیں۔ جج نے دلیل دی کہ بھٹو نے عوام کو جو کچھ بھی مادی فوائد فراہم کیے وہ غیر اہم تھے چیمہ کے بقول جو بات اہم تھی وہ عزت نفس تھی جو سابق وزیر اعظم نے انہیں دی تھی۔

اس تبصرے کو پی پی پی کے چھوٹے چھوٹے اقدامات کے سیاق و سباق میں دیکھنا چاہیے جیسے کہ "پانچ مرلہ اسکیم" جو ہر بے گھر خاندان کو ۵۰ ۱ مربع گز

سرکاری زمین بعض صورتوں میں نجی زمین کا بھی مکان بنانے کے لئے حقدار بناتی ہے اس کے ناقدین یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس سے زیادہ لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچا۔

بہرحال فائدہ حاصل کرنے والوں کی چھوٹی سی تعداد کا زبردست سماجی اثر مرتب ہوا غیر مالک کسان جس کا زمیندار اس کی بیگار سے لیکر اس کی بیوی اور بیٹیوں تک ہر چیز پر حق رکھتا تھا اب اسے گھر سمیت اپنی ہر چیز کے چھن جانے سے خوفزدہ رہنے کی ضرورت نہیں۔

کئی نسلوں میں پہلی بار بعض کسانوں کو ایک چھپر نصیب ہوا جس کو اپنا کہہ سکتے تھے۔ اور انہیں دیکھ کر دوسروں میں بھی ایسی ہی خوش نصیبی کی توقع پیدا ہوئی۔

یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بھٹو پر بائیں بازو کی اس تنقید کے باوجود کردہ ترقی پذیر انقلابی صورتحال کا تخریب کار تھا کئی غریب خاص طور پر پنجاب اور سندھ اور اس کے مقابلے میں بہت کم صوبہ سرحد کے غریب اسے ایک ایسا پہلا بااثر رہنما تسلیم کرتے ہیں جس کو واقعتاً" ان کی فکر تھی۔ لیکن بھٹو کی مقبولیت کی وضاحتوں کے انبار کی تلخیص وزیر دفاع علی احمد تالپور کا تقریباً چار سال پہلے کا تبصرہ ہے پی پی پی سے علیحدہ ہوتے وقت انہوں نے کہا تھا "یہ شخص کسی قدر کا احترام نہیں کرتا۔ سوائے رائے عامہ کے"

اس بات سے قطع نظر کہ بھٹو نے ایک موقع پرست کا رویہ اپنایا۔ یا ایک مخلص عوامی آدمی کا غریب کے دوست کی حیثیت میں اس کا امیج بھٹوازم کے نام سے جانا جانے لگا ہے۔ اور پچھلے سال کی بغاوت کے بعد سے اس کے مخالفین کے لئے زہر بنا رہا ہے مقامی عوامی نفسیات کو سمجھنے کے لئے ایک اہم بات وہ تبصرہ ہے جو اس نے ایک انتخابی جلسے میں کیا۔ ایک ہوٹر نے سوال کیا۔ "کیا تم شراب پیتے ہو۔؟" بھٹو نے جواب دیا تھا۔ "ہاں تھوڑی سی شراب پی لیتا ہوں لیکن میں غریبوں کا خون نہیں چوستا" اور مجمعے نے پسندیدگی کے نعرے لگائے تھے یہی وجہ ہے کہ مسٹر بے نظیر نے اپنے حالیہ دوروں کے دوران جب یہ اعلان کیا کہ اس کے والد نے سارے خاندان سے یہ حلف لیا ہے کہ اس کی موت کی صورت میں وہ سب غریب عوام کے لیے اس کی جنگ کو جاری رکھیں گے تو کسی کو بھی اس پر شک نہیں گذرا۔

اب بڑے پیمانے پر پی پی پی کے کارکنوں اور دوسروں کی گرفتاری کے ذریعے بھٹو کی حمایت میں جذبات کے اظہار پر ایک بار پھر ڈھکن ڈھک دیا ہے ۱۸ ماہ کی کشمکش اب آخری مرحلے پر پہنچ گئی ہے۔ اس کی موت کی صورت میں پی پی پی کے لوگوں کا بند کیا جانا ایک بڑے ہنگامے کے خلاف کوئی ضمانت نہیں ہے۔

پارٹی کی مشین کے بھی اوسان بجا نہیں معلوم ہوتے کیونکہ یہ حکومت اور بھٹو کی حمایت میں بڑھتی خفیہ تحریک دونوں کے دباؤ میں ہے موجودہ صورتحال سے خود کو بری الذمہ قرار دیتے ہوئے اب بھی جیل سے باہر رہ جانے والے پی پی پی کے چند سرکردہ افراد انفرادی احتجاج کی مذمت کرنے یا پی پی پی کے حامیوں سے پر امن رہنے کی اپیل کرنے سے انکار کرتے ہیں یہ لیڈر یہ پوچھتے ہیں کہ "ہماری پارٹی پر اتنے وسیع جبر کی موجودگی میں اگر ہماری پارٹی کے نوجوان عناصر خفیہ کارروائی کرتے ہیں تو کیا آپ انہیں مورد الزام قرار دے سکتے ہیں۔" ان کی ہمدردی کے باوجود پی پی پی کے لیڈر خفیہ تحریک کے اعتماد میں معلوم نہیں ہوتے جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غیر مربوط گروہوں کی صورت میں سرگرم عمل ہے جو دہشت پسندی کی طرف راغب ہوتے جا رہے ہیں جس کا اظہار ۱۴ اکتوبر کے بعد گھریلو ساخت کے بموں کے راولپنڈی اور لاہور میں ہونے والے ۳ دھماکوں کی اطلاعات سے ہوتا ہے۔

مگر اس بات کا امکان نہیں کہ یہ واقعات بھٹو کی قسمت کے متعلق آخری فیصلے پر مثبت طور پر اثر ڈال سکیں۔ ایک نمایاں امکان یہ ہے کہ اگلے چند ہفتوں میں مقامی صورتحال میں ابتری جس کی پیشین گوئی کی جا سکتی ہے حکمرانوں کی مایوسی میں اضافہ کرے

لیکن بد دل اور اس قدر مایوس لاکھوں لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ ان کے پاس حکومت سے محاذ آرائی میں اضافہ کرنے کے علاوہ کوئی اور صورت ہی نہیں ہے۔

*

نئے اسلامی نظام کے نفاذ کا انتظار کیجئے

صحافیوں سے پریس اینڈ پبلیکیشن آرڈی ننس کی تنسیخ کے وعدے کے بعد اخبارات پر سنسر لگا دیا گیا

دی اکانومسٹ
۲۸۔ اکتوبر ۷۸ء

ایک سال قبل انتخابات منسوخ کرنے کے بعد سے فوجی حکمرانوں نے انتخابات کرانے کا پہلا وعدہ کیا ہی تھا۔ کہ اس نے اسے پیشگی شرائط میں جکڑ دیا پچھلے ہفتے جنرل ضیاء الحق نے فضائیہ کے افراد سے کہا کہ مسلح افواج اگلے سال مارچ اور اکتوبر کے درمیان اقتدار ایک سول حکومت کے حوالے کر دیں گی۔ اس ہفتے انہوں نے کہا کہ ہاں، لیکن جیتنے والی پارٹیوں کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ پیشگی وعدہ کریں کہ وہ اس "اسلامی نظام" کو نافذ کریں گی جو وہ اگلے ماہ عید کے پرمسرت موقعہ پر متعارف کرانا چاہتے ہیں ("غیر اسلامی" جماعتوں کو انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت نہیں ہوگی) اور سب سے پہلے ملکی سیاست کو ناپسندیدہ عناصر سے پاک کرنا ضروری ہوگا۔

جنرل نے فوری بغیر انتخابات اقتدار پی این اے کے حوالے کرنے کا بھی حوالہ دیا بشرطیکہ اس کی چھ پارٹیاں ایک اسلامی پارٹی میں ضم ہو جائیں وہ سیاستدان جنہوں نے دو ماہ قبل جنرل ضیاء کی کابینہ میں شمولیت کے لیے چند اصول نگلے تھے، اور جن کا انجام صرف نوکر شاہی کے لیے منظر عام پر رہنے والے آدمیوں کا ہونا تھا سخت الجھن میں مبتلا کر دیئے گئے لیکن ان کے صدر مولانا مودودی (پی این اے کے صدر مولانا مفتی محمود ہیں جبکہ مولانا مودودی جماعت اسلامی کے بانی ہیں مترجم) نے اس ترغیب کو رد کر دیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ پارٹیوں کو انتخابات کے ذریعے اختیار کی ضرورت ہے۔

تطہیری مہم جو دوسری صورت میں احتساب کہا جاتا ہے ایک سال سے زائد عرصے سے جاری ہے لیکن حال ہی میں تمام سابقہ عہدیداران کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے رکارڈ جانچنے کے لیے دوبارہ پیش کریں۔ اسی دوران ناپسندیدہ عناصر سے پاک کرنے کی مہم سر بھاڑنے کی زیادہ آسان شکل میں جاری رہی ہے اس کے رہنما کے جیل میں گھٹتے ہوئے اس کی بیوی اور بیٹی کے گھر میں نظر بند رہتے ہوئے اس کے کئی ہزار ضلعی رہنماؤں اور مقامی سرگرم کارکنوں کے گرفتار ہو جانے کے حالات میں مسٹر بھٹو کی رہائی اور برأت کیلئے پارٹی کی مہم دم توڑ چکی ہے بھٹو کے چار حامیوں کا خود کو جلا کر ہلاک کرنا بھی متوقع عوامی ابھار کو بروئے کار لانے میں ناکام رہا ہے۔

پیپلز پارٹی پر ایک اور ضرب کے طور پر حکومت نے پچھلے ہفتے بھٹو کے حامی تمام اخبارات پر سنسر شپ عائد کر دی۔ ان میں سے آٹھ نے احتجاج کے طور پر ۳ دن تک اپنی اشاعت معطل رکھی، ان کا قانونی چیلنج لاہور ہائیکورٹ میں پیش ہے۔ وہی ہائیکورٹ جس نے پچھلے مارچ میں مسٹر بھٹو کو سزائے موت دی تھی۔ یہ تازہ ترین سنسر شپ چند روز قبل کے اس سمجھوتے کو مضحکہ خیز بناتی ہے جو صحافیوں کے کئی ماہ طویل تنازعے پر اس افہام و تفہیم کے بعد ہوا تھا کہ پاکستان کا پابندیاں عائد کرنے والا پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈی ننس منسوخ کر دیا جائے گا۔

مبصر کے قلم سے

واقعی کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ موجودہ حکومت کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ وہ کہاوت صادق آتی ہے کہ اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی؟ یہ خود بھی عجوبہ روزگار اور اس کے کام بھی تاریخ کے نوادرات میں شمار کرنے کے قابل۔ اور کیوں نہ ہو اس کا کینڈا ہی انوکھا ہے۔ یہ شہری بھی ہے اور فوجی بھی۔ عبوری بھی ہے اور مستقل بھی۔ اب یہی دیکھیے کہ دنیا کے ہر ملک میں تعطیلات ہوتی ہیں۔ عموماً قومی اور مذہبی تہواروں پر۔ وہ بھی معدودے چند۔ لیکن ایک ہمارا ملک ہے جس میں چھٹیوں میں اضافہ ہی ہوتا چلا آرہا ہے۔ مذہبی، قومی اور مذہبی تہواروں کی چھٹیاں الگ ہیں۔ بڑوں کی وفات اور پیدائش کے ایام الگ ہیں اور ان کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ ایک ہمارا پڑوسی ملک چین ہے کہ جہاں ان کے سب سے بڑے لیڈر یعنی چیئرمین ماؤ اور اس سے پہلے وزیر اعظم چو این لائی کا قومی سوگ مختلف طریقوں سے منایا گیا لیکن ان کی وفات پہ عام تعطیل نہیں کی گئی، کارخانے، دفاتر اور کالج کھلے رہے البتہ مختلف دنوں میں باری باری مختلف اداروں کے لوگ دو دو گھنٹوں کیلئے آپ کی حنوط شدہ نعش کا دیدار کرنے اور انہیں اظہار عقیدت پیش کرنے کے لئے ضرور گئے۔ سوشلسٹ ملکوں میں اگر کسی نوع کی کوئی خوشی ہوتی ہے تو وہاں کے مزدور محنت کش ایک دو گھنٹے زیادہ کام کرتے ہیں تاکہ ملک کی خوشحالی میں اضافہ ہو۔ ایک ہمارا ملک ہے کہ اپنی ہی سرزمین پہ بھارت سے کرکٹ کا ٹیسٹ میچ کیا جیتے کہ حکومت نے فوراً عام تعطیل کا اعلان کردیا۔ مانا کہ اس ایک ٹیسٹ کے جیتنے سے سب کو خوشی ہوئی ہوگی۔ بالخصوص کرکٹ کے شائقین کو اور اسکولوں اور کالجوں کے نوجوانوں کو لیکن یہ عام تعطیل کرنے اور پورے ملک کا کاروبار بند کردینے کی کیا تک تھی۔ ایک طرف یہ شکایت کہ ہماری پیداوار میں اضافہ نہیں ہورہا ہے۔ پیداواری طاقت "PRODUCTVITY" گھٹ گئی ہے، اور دوسری طرف یہ غیر ضروری چھٹیاں منانے کا شوق۔ اور وہ بھی حکومت کی پہل پر۔

ہماری معلومات کے مطابق دنیا کے دوسرے ملکوں میں اس طرح اسپورٹس میں کسی کامیابی کے بعد عام تعطیلات نہیں کی جاتیں۔ ہم نے تو آج تک یہ نہیں سنا کہ انگلستان میں کبھی انگریز ٹیم کے ٹیسٹ میچ جیتنے پہ کوئی عام تعطیل کی جاتی ہو۔ وہ تو ایک ٹیسٹ کیا ابھی حال میں سیریز کی سیریز جیتے ہیں۔ عام اور معقول تصوّر تو یہ ہے کہ کھیل میں ہار جیت ہوتی رہتی ہے۔ ایک ٹیم جیتتی ہے تو دوسری ہارتی ہے۔ اس میں خوشی کا اظہار اس حد تک کیا جاتا ہے کہ اچھا کھیلنے والی ٹیم یا اس کے ارکان کو انعامات اور تحفے دیئے جاتے ہیں۔ کچھ استقبالیے اور دعوتیں ہو جاتی ہیں لیکن اپنی ہی سرزمین پہ ایک ٹیسٹ جیتنے پر جبکہ ابھی سیریز کا فیصلہ آخری ٹیسٹ میں ہونا باقی ہے عام تعطیل کا اعلان کردینا کچھ عجیب و غریب نفسیاتی کیفیت کی غمازی کرتا ہے جسے کچھ لوگ اوچھا پن کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تو اگر ٹیسٹ سریز بھی جیت لی جائیں تب بھی عام تعطیل کے اعلان کے ذریعے اس قومی ضیاع کا کوئی جواز نہیں ہے ایک دن میں محنت کے اربوں گھنٹے ضائع کردیئے گئے۔ اقتصادی مفہوم میں کروڑوں روپیہ کی پیداوار سے قوم کو محروم کردیا گیا۔ اور ٹی وی اور ریڈیو کے ذریعے یہ پانچ روز تک جو ہزاروں بلکہ لاکھوں پاکستانی شہری جن میں علمبرداران "نظام مصطفےٰ" بھی شامل ہیں۔ اس لہو ولعب کو دیکھنے اور سننے میں مشغول رہے۔ اس خسارہ کا ذمہ دار کون ہے۔ یہ آخر انگریز نوآبادکاروں کے ایک انتہائی جاگیردارانہ کھیل کو ہم پر کیوں مسلط کیا جارہا ہے اور اس سلسلے میں یہ قومی تعطیل کا کیا جواز ہے۔ انگریزی کے مشہور ادیب برنارڈ شا نے کرکٹ کے کھیل کی تعریف یوں کی تھی۔ "ایک ایسا کھیل جسے بائیس بیوقوف کھیلتے ہیں اور بائیس ہزار بیوقوف دیکھتے ہیں"۔ لیکن ہمارے یہاں اس احمقانہ وقت ضائع کرنے والے کھیل پہ عام تعطیل کا اعلان کیا جارہا ہے۔ خیر اس

(باقی صفحہ ۵ پر)

● کرکٹ ایسا کھیل ہے جسے بائیس بے وقوف کھیل
اور بائیس ہزار بے وقوف دیکھتے ہیں ● برنارڈ شا

"بزنا کے خلاف بیان دے دو تو تمہیں بھاری رقم دینگے ورنہ ساری عمر جیل میں سڑتے رہو گے"

ہونٹ پھٹ گئے
اور خون رسنے لگا

میں نے ۱۰ اگست بروز بدھ پی ایف یو جے اور ایپنک کے آٹھ نکاتی مطالبات کی حمایت میں ریگل چوک پر صحافی، ہاری، نمائندوں کے ساتھ گرفتاری پیش کی۔ وردی والوں سے کہیں زیادہ سادہ وردی والے وہاں جمع ہونے والی بھیڑ میں موجود تھے۔ گرفتاری کے دوران مجھے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا گیا۔ اور مجھے اٹھا کر ٹرک میں پھینک دیا گیا جس سے میرے جسم پر متعدد چوٹیں آئیں۔ لغودل کی گونج میں ٹرک پریڈی تھانے پہنچا اور ہمیں لاک اپ میں بند کر دیا گیا۔ ۱۵ اگست والا اسیران صحافت کا دستہ جس میں حسان سنگرامی، محمد ایوب محمد سومار، نور خان اور دوسرے شامل تھے موجود تھا جبکہ ۱۴ اگست کے اسیران صحافت محمد زاہد حسن ظہیر امیر بخش راجپر اور انور علی کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر کچھ کے لیے نامعلوم مقامات پر پہنچا دیا گیا تھا۔

۲۰ اگست کی صبح ۱۱ بجے ہونگے ایک جیپ پہنچی۔ اس میں سات آٹھ مسلح نوجوان تھے میرے نام کے ساتھ محمد علی بلوچ اور قاسم کا نام پکارا گیا ہمیں لاک اپ سے نکال کر آنکھوں پر کس کر پٹی باندھی گئی اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔ اس کے بعد جیپ نامعلوم منزل کی جانب روانہ ہو گئی تقریباً پندرہ منٹ کے بعد جیپ ایک مقام پر رک گئی اور ہمیں نیچے اترنے کا حکم دیا گیا ہم تینوں کو گھڑے پانی میں گھمانا شروع کیا گیا۔ ساتھ ہی کوئی بار بار تحکمانہ لہجے میں کہتا۔ تیز چلو، اور تیز، اور تیز، اور پیچھے سے بھاری بوٹوں سے ہمیں ٹھوکریں لگتے تھے مجھے تو کوئی شخص بار بار بیسیوں گالیاں دے رہا تھا گوجرانوالہ سے تحریک چلانے آئے ہے ملک دشمن، غدار، ابھی بتاتے ہیں، آزادی صحافت کا مطلب، وہ مجھے اس طرح گالیاں نکالتا ایک بلڈنگ میں لے گئے مجھے اپنے دو ساتھیوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم کہ وہ کہاں لے جائے گئے مجھے ایک تنگ کمرے میں بند کر دیا گیا۔

پندرہ منٹ کے بعد ایک لمبا تڑنگا شخص پہنچا اس نے آتے ہی گالیاں دینی شروع کر دیں پھر اس نے کوٹھری کے باہر کھڑے ہوئے پہرے دار سے کہا کہ اسے اوپر لے چلو۔ وہیں اس سے پیار و محبت کی باتیں ہونگی۔ پہرے دار مجھے ٹھوکریں لگاتا گالیاں بکتا اوپر لے گیا۔ اور ایک تاریک اور تنگ کوٹھری میں بند کر دیا چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا۔ اور وہی شخص اندر داخل ہوا اور کسی تمہید کے بغیر دو چار زوردار تھپڑ رسید کر دیئے۔ میرے ہونٹ پھٹ گئے اور خون رسنے لگا۔ میں اپنی قمیض سے خون صاف کرنے لگا تو اس نے کڑک کر پوچھا۔ تمہارا نام پھر اس نے والد کا نام پوچھا اس کے بعد اس نے تابڑ توڑ سوالات شروع کر دیئے کس اخبار میں کام کرتے ہو۔

تمہیں گوجرانوالہ سے کس نے بھیجا۔؟

تحریک کون لوگ چلا رہے ہیں؟

کراچی میں کہاں ٹھہرے تھے؟

اس نے کہا "سچ سچ بتانا، اگر غلط بیانی سے کام لیا تو زبردست پٹائی ہو گی بہتر یہی ہے کہ سب کچھ بتا دو۔"

میں نے اسے بتایا کہ میں گوجرانوالہ سے آیا ہوں "دعوت عمل" کا نمائندہ ہوں۔ اور مقامی این ایس ایف

کا ممبر ہوں۔ تحریک برنا صاحب چلا رہے ہیں میں تو طلبہ کے ایک کارکن اور صحافی کی حیثیت سے شریک ہوں۔"

اس نے گالیاں بکتے ہوئے پوچھا۔ "برنا کہاں ہے؟"

میں نے اسے بتایا کہ وہ اس وقت خیرپور جیل میں پابند سلاسل ہیں۔ میں کسی کو نہیں جانتا۔ پہلی بار کراچی آیا ہوں جس روز یہاں پہنچا اسی شام کو گرفتاری پیش کی۔

اس نے سوال کیا۔ بینرز اور پلے کارڈز کون لکھتا ہے؟

جواب دیا۔ میں نے خود لکھا تھا۔ اور خود ہی آٹھ آنے کا ہار خریدا اور پہن لیا۔

میرا جواب سن کر جوان مشتعل ہو گیا۔ اور اس نے مجھے مارنا شروع کر دیا۔ "تم جھوٹ بولتے ہو تمہیں سب کچھ معلوم ہے۔ ساری باتیں شرافت سے بتا دو، ورنہ تشدد کریں گے۔ اس نے باہر کھڑے پہریدار کو آواز دیکر کہا۔ جاؤ چمڑے کا بیلٹ لے آؤ۔ یہ ایسے نہیں مانے گا۔ مار کھائے گا تو سب کچھ اگل دے گا"

پہریدار نیچے سے چمڑے کا ٹکڑا لے آیا پھر اس نے میری گردن پر اپنا بوٹ رکھ دیا۔ اور چمڑے سے میرے جسم کے مختلف حصوں پر مارنا شروع کر دیا اس کی چوٹ ناقابل برداشت تھی۔ مگر میں نے بہت ضبط کیا۔ یہ سلسلہ تقریباً نصف گھنٹہ تک جاری رہا جب وہ تھک گیا تو اس نے ہاتھ روک لیا "اب بھی وقت ہے سچ سچ بتا دو۔ ورنہ اس سے بدتر سلوک ہوگا۔ پھر مجھے کہا کلمہ پڑھو میں نے کلمہ پڑھا۔

اس نے کہا۔ اب تم یقیناً ساری باتیں بتاؤ گے۔ میں نے جواب دیا بالکل حقیقت بیان کروں گا۔ اس نے دوبارہ وہی سوالات دہرائے میں نے وہی جوابات دیئے جو پہلے دے چکا تھا۔ اور اس سے کہا کہ اس میں رتی برابر جھوٹ نہیں ہے۔

ناکامی کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ میں اوپر جا رہا ہوں تھوڑی دیر بعد آؤں گا۔ اس اثنا میں تم اچھی طرح سوچ لو۔ اور اس نے مجھے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر کھڑے رہنے کا حکم دیا۔ اور پہرے دار کو ہدایت کی کہ اس کا خیال رکھنا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد وہ واپس آیا اور مجھے کوٹھڑی سے نکال کر دوبارہ آنکھوں پہ پٹی باندھ کر جیپ

ایک افسر میری گردن پر
پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا
اور دوسرا بیلٹ سے مارنے لگا

پر بٹھا دیا۔ اس وقت جیپ میں میرے دونوں ساتھی بھی موجود تھے جن پر میری طرح تشدد کیا گیا تھا۔

۲۱ اگست کو وہی افسر دوبارہ پہنچا مجھے لاک اپ سے نکال کر ایک کمرے میں لے گیا اور مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے یہ اعتراف نہیں کیا کہ یہ تحریک پیپلز پارٹی چلا رہی ہے اور مجھے گرفتاری پیش کرنے کے لیے دس ہزار روپے دیئے گئے ہیں تو مجھے سخت اذیتوں سے گزرنا پڑے گا۔ اس نے بڑے تحکمانہ انداز میں کہا کہ تمہیں یہ بیان عدالت میں دینا ہے

اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گولی مار دی جائے گی۔ اور تمہاری لاش کا پتہ بھی نہیں چلے گا۔ سمجھے۔

۲۳ اگست کو مجھے تھانہ عدالت میں پیش کیا گیا وہاں بھی مجھے دھمکی دی گئی کہ حسب منشا بیان دوں۔ مگر میں نے ظلم و جبر کے سامنے جھکنے سے صاف انکار کر دیا اور خود ساختہ بیان دینے سے معذرت ظاہر کی۔ چنانچہ مجھے عدالت میں پیش کرنے کے بعد دوبارہ لاک اپ میں چھوڑ دیا گیا۔

۲۴ اگست کو مجھے دوبارہ فوجی عدالت میں پیش کر کے ۸ ستمبر تک جسمانی ریمانڈ لیا گیا اس دوران پریڈی تھانہ کا ایس ایچ او گل رحمان وقتاً فوقتاً مجھے دھمکیاں دیتا کہ تحریک سے لاتعلقی کا اعلان کر دو ورنہ سخت سزاؤں سے نہ بچ سکو گا۔ مگر یہ دھمکیاں

مجھ پر کارگر نہ ہوئیں۔

۲۷ اگست کو ایک بار پھر نصف شب میں مجھے ٹارچ سیل میں لے جایا گیا۔ پوری رات پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر تیز روشنی کے سامنے مجھے کھڑا رکھا گیا کھولی میں تیز روشنی کی وجہ سے مچھروں نے حملہ کر کے میرے جسم کو نوچ ڈالا تھا اس کوٹھڑی میں ہوا کے لیئے معمولی سا سوراخ بھی نہ تھا ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے میرا دم گھٹ جائے گا مگر میں نے ان تمام حالات کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا صبح کو پھر وہی افسر آیا اور آتے ہی عجیب وغریب سوال دھرانے شروع کر دیئے۔ ..... نے تحریک چلانے کے لئے ساڑھے پانچ کروڑ دیئے ہیں۔ تمہیں کتنا ملا۔؟ پھر سوال کیا۔ تم مسلمان ہو، افغانستان، ایران، ہندوستان میں تمہارے کون رشتہ دار ہیں اور کون سے عہدوں پر کام کرتے ہیں کلمہ سناؤ۔ نماز کی آیات سناؤ۔" ان بے مقصد سوالات کے جواب نہ دینے پر مجھ پر بہیمانہ تشدد شروع کر دیا۔

پھر اس نے باہر مسلح پہرے دار کو آواز دی اور کہا کہ اس کو ۲۸ نمبر کی کھولی میں لے جا کر الٹا لٹکا دو۔ اس ہدایت پر عمل کرتے ہوئے مجھے الٹا لٹکا دیا گیا۔ اور چمڑے کے ٹکڑے سے بے تحاشہ مارنا شروع کر دیا۔

تحریک میں کون لوگ سرگرم عمل ہیں ان کے کوائف بتاؤ۔؟

اس سادہ کاغذ پر دستخط کر دو ورنہ تمہیں گولی مار دیں گے۔

میں نے جواب دیا۔ دستخط نہیں کروں گا۔ مرنا پسند کروں گا۔ یہ موت میرے لیئے قابل فخر ہو گی۔

اس نے شدید غصے کے عالم میں جواب دیا آسانی سے نہیں ماریں گے۔ تڑپا تڑپا کر ماریں گے۔ نیپر (؟) اوگارڈن کے پل کے نیچے باندھ کر روزانہ بیس کوڑے لگائیں گے تحریک تو قومی اتحاد کی تھی جو کراچی سے پشاور تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ دو دو کی ٹولی ہم پر اثر انداز نہیں ہو سکتی ہم گرفتاری پیش کرنے والوں کو گولی سے اڑا دیں تو دوسرے دن کوئی بھی گرفتاری پیش نہیں کرے گا۔

میں نے جواب دیا آپ نے کوڑے مار کر دیکھ لیئے تحریک جاری رہی۔ اب گولی مار کر بھی دیکھ لیں انشاء اللہ اس میں ناکامی ہو گی۔ اور تحریک جاری رہے گی۔ اس نے کہا۔ بڑا سرمایہ دار ہے اس کی چھ کاریں ہیں چھ سات عالیشان کوٹھیاں ہیں اور وہ غیر ملکی ایجنٹ ہے پیپلز پارٹی کا پٹھو ہے آزادی صحافت کی آڑ میں بھٹو کی رہائی کی تحریک چلا رہا ہے۔ اگر تم مان جاؤ تو ہم تمہیں رہا کر دینگے جہاز کی سیر کرائیں گے۔ اتنا روپیہ دیں گے کہ عیش کرو گے۔ ورنہ ساری عمر جیل میں سڑتے رہو گے۔ اور تمہیں چھڑانے والا کوئی نہ ہو گا۔ ہمارے ساتھ "کمپرومائز کر لو، اچھے رہو گے۔"

میرے انکار کرنے پر وہ زیادہ مشتعل ہو گیا اور مجھے ٹھنڈے پانی کے حوض میں لٹا دیا۔ اس دوران مختلف قسم کی ڈراؤنی چیخیں سنائی دیتی رہیں مگر میرا حوصلہ بلند رہا۔

۳۰ اگست کو مجھے دوبارہ فوجی عدالت میں پیش کیا گیا۔ اور مشورہ دیا گیا کہ معافی نامہ لکھ کر دیدو، گھر جاؤ، ٹھاٹ سے عید مناؤ۔ میں نے جواب دیا کہ میں اس دفعہ اپنے اسیر ساتھیوں کے ساتھ ہی عید مناؤں گا۔ اپنے مقصد میں ناکامی کے بعد وہ مجھے لاک اپ میں چھوڑ کر چلے گئے۔

۲ ستمبر کو مجھے پرانی تھانہ سے آرٹلری تھانہ میں منتقل کر دیا گیا ۳ ستمبر کو پھر فوجی عدالت میں پیش کیا گیا اور اسی روز مجھے خیبر میل کے ذریعے سنٹرل جیل سکھر منتقل کر دیا گیا سکھر جیل پہنچکر معلوم ہوا کہ مجھے مارشل لاء ضابطہ ۱۲ کے تحت تین ماہ کے نظر بند کر دیا گیا۔

*

دیپالپور

محمد اشرف

اسیر طلبا اور سیاسی کارکنوں کو رہا کیا جائے

نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن پاکستان گورنمنٹ انٹر کالج دیپالپور یونٹ کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں تنظیمی و ملکی سیاسی صورتحال پر بات چیت کی گئی۔ اجلاس میں کہا گیا کہ اس وقت ملک شدید ترین بحران کا شکار ہے جمہوری قدریں پامال ہو چکی ہیں ہر شہری افراتفری کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ مہنگائی نے عوام کا ناک میں دم کر رکھا ہے غنڈہ گردی اپنے جوبن پر ہے اور اپنے مسائل کے حل کی بات کرنے والوں کو پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے

اجلاس کی صدارت این ایس ایف ضلع ساہیوال کے صدر احتشام اکبر نے کی۔ اجلاس میں کالج یونٹ کے عہدے داروں کا چناؤ کیا گیا۔ جس میں صدر محمد شریف ظفر سینئر نائب صدر محمد زمان خان، جونیئر نائب صدر فاروق اشرف جنرل سیکریٹری محمد جعفر جوائنٹ سیکرٹری عطار محمد وٹو پروپیگنڈہ سیکرٹری لیاقت علی اور پانچ رکنی مجلس عاملہ میں محمد اشرف، محمد یوسف رفیق، محمد امیر حمزہ، فاروق احمد، مدد علی کو منتخب کیا گیا منتخب عہدے داروں نے کہا کہ وہ این ایس ایف کے پرچم کو بلند کرتے ہوئے اس سرمایہ دارانہ سماج کے خاتمے کے لیئے بھرپور جدوجہد کریں گے۔ کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کر کے ہی ملک کو ایک غیر طبقاتی سماج میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے احتشام اکبر نے جماعت اسلامی کو نظریۂ پاکستان کی باغی اور اسلام کی مخالف جماعت قرار دیا انہوں نے کہا کہ مولانا مودودی نے تحریک پاکستان کی کھل کر مخالفت کی تھی۔ آج ملک میں اسلامی جماعت حقیقی اسلام کی بجائے فرقہ مودودیہ کا پرچار کر رہی ہے جبکہ اس دبی سسکتی اور دم توڑتی ہوئی انسانیت کی آزادی کی بات کرنے والوں کو ملک دشمن قرار دیا جاتا ہے لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ان نظریہ پاکستان کے باغیوں اور نام نہاد اسلام کے ٹھیکیداروں کی سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے انہوں نے کہا کہ دنیا کی کوئی طاقت بھی مظلوم عوام کی آزادی کی جدوجہد کو نہیں روک سکتی۔ اجلاس میں مطالبہ کیا گیا کہ گورنمنٹ انٹر کالج دیپالپور کو اسپتال کی پرانی بلڈنگ میں منتقل کیا جائے کیونکہ کالج کی موجودہ بلڈنگ بہت ہی تنگ ہے۔ جو کہ تین چھوٹے چھوٹے کمروں پر مشتمل ہے جبکہ طلباء کی تعداد بہت زیادہ ہے اور کلاسیں کھلے آسمان کی چھت تلے لگتی ہیں اس لیئے اسپتال کی پرانی بلڈنگ کالج کو دیجائے یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ این ایس ایف پاکستان کے رہنما وقاص بٹ کو رہا کیا جائے۔

جمعیت علمائے پاکستان کو حکومت میں شامل کرنے کی کوششیں

غینو کی ڈائری

پنجسالہ منصوبے پر فاتحہ خوانی

جنرل ضیا "سنی کانفرنس" سے خطاب کرنا چاہتے تھے

اعلیٰ سرکاری حلقے آج کل سخت تذبذب میں نظر آ رہے ہیں۔ سرکاری کام تو برائے نام ہو رہا ہے۔ نہ مزید پراجیکٹ بن رہے ہیں۔ اور نہ مزید پلاننگ پر کام ہو رہا ہے۔ باخبر ذرائع کے مطابق پانچواں پنجسالہ منصوبہ جس کا بڑا شور تھا اس پر آج کل فاتحہ پڑھی جا رہی ہے۔ یہ صورتحال تو اپنی جگہ مگر یہ سرکاری حلقوں میں کاناپھوسی کیوں ہو رہی ہے؟ اسلام آباد سے جو اعلیٰ سرکاری عملدار آمد آتا ہے وہ ایک عجیب سوالیہ نشان بنا ہوا کیوں نظر آتا ہے؟ گذشتہ دلوں قصر ناز اور اسٹیٹ گیسٹ ہاؤس Haunted House کیوں بنے رہے؟ ایک صاحب نے بڑا دلچسپ تبصرہ کیا کہ آجکل جو صاحب بھی اسلام آباد سے یہاں دورے پر آ کر قصر ناز یا اسٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرتے ہیں، ان کی فائیلوں میں تو کچھ نہیں ہوتا، البتہ ذہنوں میں بہت کچھ ہوتا ہے۔

ان اعلیٰ سرکاری عملداروں کے قریبی حلقوں سے معلوم ہوا ہے کہ پاکستان پر شاید بہت کڑا وقت آنے والا ہے ان عملداروں پر آنے والے وقت کی سوچ کے اندیشے اور اثرات حاوی ہیں۔ جو کچھ سنا جا رہا ہے۔ وہ خدا کرے غلط ہو۔ باخبر حلقوں کے مطابق پاکستان پر بڑے خطرات منڈلا رہے ہیں۔ بڑی گدھیں پاکستان پر اڑتی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ ان گدھوں نے دسمبر ۱۹۷۱ء سے پہلے بھی پاکستان کی سرحدوں پر اس قسم کے چکر لگائے تھے باخبر حلقوں کے مطابق دنیا کی دو بڑی طاقتوں کے دارالحکومتوں میں مختلف فارمولوں پر غور ہو رہا ہے کہ

جس علاقہ کا نام پاکستان ہے اس کی آئندہ شکل کیا ہوگی اسلام آباد سے آنیوالی اطلاعات میں اندیشے ظاہر کئے جا رہے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اس بار پھر کوئی طاقت پاکستان میں مداخلت کرے اور دوسری طاقت خاموشی سے بیانات جاری کرتی رہے۔ ان حلقوں کے مطابق آئندہ دو ماہ بہت اہم ہیں۔ اس پس منظر میں دیکھا جائے تو حال ہی میں مسلم لیگ کے سربراہ پیر پگارا اور مسلم لیگ ہی کے ایک اور رہنما ایس ایس ایم ظفر کے خلاف جاری کئے گئے بیانات کی اہمیت سے اندازہ ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ پیر پگارا نے حال ہی میں کراچی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ نومبر کا مہینہ پاکستان اور مسلم لیگ کی تاریخ میں انتہائی اہم ہے۔ اسی طرح ایس ایم ظفر نے بھی کچھ دن ہوئے لاہور سے جاری کئے گئے ایک بیان میں کہا تھا کہ آئندہ کچھ دلوں کے اندر بہت کچھ ہونے والا ہے۔

ایک طرف تو اس قسم کے خطرناک اندیشے ستے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف جماعت کے رہنما اور وزیر اپنے "کام" میں مگن ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ سب کچھ ان کی منشاء کے مطابق ہو رہا ہے۔ گذشتہ دلوں جماعت کے

پیر پگارا کے خلاف

عدمِ اعتماد کی تحریک میں

جماعت اسلامی کا ہاتھ تھا

اکثر وزراء نے کراچی پر دھاوا بولا۔ جہاں انہوں نے نہ صرف سرکاری تقریبات اور پارٹی کارکنوں کے اجلاسوں سے خطاب کیا۔ بلکہ کئی نجی تقریبات میں شرکت کی۔ جماعت کے قریبی حلقوں کے مطابق اس بار یہ نجی تقریبات انکی سرکاری تقریبات سے زیادہ اہم تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ ان کی یہ درپردہ سرگرمیاں ان کی کسی اہم پلاننگ کا حصّہ تھیں۔ ان کی نجی تقریبات میں جماعتی وزیروں نے ملکی معاملات اور آئندہ ہونیوالے واقعات پر کھل کر بات کی۔ ایسا لگتا ہے کہ اس طرح انہوں نے رائے عامہ بنانے کی کوشش شروع کر دی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ ایک جماعتی وزیر نے جن کو جماعتی حلقوں کی طرف سے بہت بڑے معاشی ماہر کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ایک نجی تقریب میں بھٹو کے مستقبل پر کھل کر بات کی انہوں نے بڑے وثوق سے کہا کہ دنیا کی کوئی طاقت بھٹو کو پھانسی سے نہیں بچا سکتی۔ اس طرح انہوں نے سپریم کورٹ میں چلنے والے مقدمہ کا بھی خیال نہیں کیا۔ تقریب میں موجود کچھ اصحاب کی طرف سے ظاہر کئے گئے اندیشوں کے جواب میں بلا روک ٹوک کہا۔ جی کچھ نہیں ہوتا، ہم بالکل تیار ہیں۔ اگر کسی نے گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو ہم اپنی طاقت کو میدان میں لائیں گے۔ آپ دیکھ لیجئے گا کہ جماعت ایسی گڑبڑ کو دبانے کی پوری اہلیت رکھتی ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ جماعت اسلامی اور فوج بڑی خوش اسلوبی سے ملک کا کاروبار چلاتی ہے اور کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

پیر صاحب پگارا کے قریبی ذرائع کے مطابق حال ہی میں پیر صاحب کے خلاف مسلم لیگ میں عدم اعتماد کی جو تحریک پیش کی گئی تھی اسمیں جماعت اسلامی اور کچھ بااثر بزرگوں کا ہاتھ تھا۔ مگر ان حلقوں کے مطابق پیر صاحب بھی اکیلے نہیں ہیں۔ ان حلقوں نے بتایا ہے کہ حال ہی میں پیر صاحب نے صدر جنرل ضیاء الحق سے ملاقات کرتے ہوئے کچھ کھٹی میٹھی باتیں کیں۔ معلوم ہوا ہے کہ پیر صاحب نے جنرل ضیاء کو دوٹوک الفاظ میں کہا کہ مقدمے کا فیصلہ ہونے کے بعد آپ اور جماعت اسلامی بھی زیادہ عرصہ نہیں رہیں گے۔

دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جمعیت العلمائے پاکستان کو حکومت میں شامل کرنے کے لئے نئے سرے سے کوششیں شروع کی گئی ہیں۔ جمعیت کے ذرائع کے مطابق اس سلسلے میں براہ راست اور بالواسطہ طور پر کئی کوششیں کی گئی ہیں۔ اس مقصد کے تحت حال ہی میں جمعیت کے سربراہ مولانا شاہ احمد نورانی کو دعوت دی گئی کہ جنرل صاحب ان سے پہلی نومبر کو ملنا چاہتے ہیں۔ مگر مولانا نے پہلی نومبر کی بجائے کسی اور تاریخ پر ملاقات کی بات کر کے معاملہ کو فی الوقت ٹرخا دیا ہے ان ہی حلقوں کے مطابق جنرل صاحب کو حال ہی میں ملتان میں جمعیت کی طرف سے منعقد کی گئی سنی کانفرنس

نے زبردست دلچسپی تھی۔ ان حلقوں نے بتایا ہے کہ صدر صاحب اس کانفرنس میں شرکت کرنا اور اس کے کسی اجلاس کی صدارت کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں بھی کئی کوششیں کی گئیں۔ ان حلقوں کے مطابق سنی کانفرنس کے اجلاس کے دوران جنرل صاحب نے تین بار مولانا نورانی سے ٹیلیفون پر بات کی۔ ایک بار جنرل صاحب نے کھل کر اپنی شرکت کی خواہش کا اظہار کیا مگر مولانا نورانی مذاق میں بات کو ٹال گئے اور کہا کہ اس کانفرنس میں تو درود و سلام بھی پڑھے جائیں گے

پاکستان انقلابی محاذ کے سربراہ مختار رانا ان دنوں لندن میں ہیں مارشل لاء حکام نے انہیں اپنے اثاثے کے گوشوارے پیش کرنے کیلئے لکھا تو انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ بریگیڈیر مظفر حسین کے نام انہوں نے جو خط لکھا ہے اس کا متن درج ذیل ہے

(ادارہ)

بڑی طاقتیں اس خطے میں بالادستی قائم کرنے کے لئے پاکستان کو میدانِ جنگ بنانے میں مصروف ہیں

ووبرن مینشنز
ٹورنگٹن پلیس
لندن ڈبلیو سی-۱
۲۹ ستمبر ۱۹۷۸ء

بخدمت
بریگیڈیئر مظفر حسین
ایچ کیو مارشل لاء زون "اے" (پنجاب)
اسمبلی چیمبرز
لاہور

حوالہ ۳۵۰/ای-۲-۲۶ر اگست ۱۹۷۸ء

موضوع:۔ احتساب اور منتخب حکومت۔

آپ کے خط مورخہ ۲۶ر اگست ۱۹۷۸ء کی وصولیابی کی تصدیق کی جاتی ہے۔ ۱۰ر اگست ۱۹۷۸ء کو ہی میں نے مجھے ملنے والے آپ کے پہلے خط کا جواب روانہ کر دیا تھا۔ اور میں اپنے مذکورہ جواب کی

شہری آزادیوں اور انسانی حقوق کی پامالی جمہوریت اور اسلام کے منافی ہے

مختار دانا
بنام
بریگیڈئیر
مظفر حسین

نقل منسلک کر رہا ہوں

۲۔ میں آپ کے غیر حاضری میں فوجی عدالت میں مقدمہ چلانے اور مارشل لاٗ (بغیر قانونی یا اخلاقی بنیاد قانون) کے تحت جیل بھیجنے کی دھمکیاں دینے کی بجائے قائل کرنے کا راستہ اپنانے کی روش کی قدر کرتا ہوں میں اس احترام کے لیئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو آپ نے میری اپنے ملک اور جمہوریت کے کاز کے لیئے خدمات کے بارے میں ظاہر کیا ہے۔

۳۔ میں آپ سے اتفاق نہیں کرتا کہ انسانی حقوق پاکستان کے دستور اور ان کے ملازمت کے حلف کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جنرل ضیاء اور ان کے دوستوں کے بغاوت کرنے کو حالات جائز قرار دیتے ہیں بعد کے واقعات نے مزید ثابت کر دیا ہے کہ ان کی بغاوت کس حد تک غلط اور خطرناک تھی۔

جنرل ضیاء کی حکومت کے وسیع پیمانے پر جبر اور مطلق العنانہ اقدامات نے صرف ان داخلی اور خارجی بحرانوں کو ابتر کر دیا ہے جن کا پاکستان کو سامنا ہے تصور کیجئے کہ پاکستان کا نصیب کیا ہو گا۔ اگر موجودہ حکومت کی مثال کی تقلید کرتے ہوئے پاکستان میں ضرورت کے بہانے فوجی بغاوتیں حکومت کا مزاج بن جائیں مسلح افواج میں سیاسی گروہ بندی کے نتائج کے بارے میں سوچنے کی کوشش کیجئے۔!

۴۔ اگر بھٹو نے جن دوسرے انتخابات کا وعدہ کیا تھا انہیں منعقد ہونے کی اجازت دی جاتی اور وہ قومی بحران کو حل کرنے میں ناکام ہو جائے تو کچھ جواز ہوتا۔

جنرل ضیاء اور ان کے دوستوں کو پھر بھی معاف کر دیا جاتا اگر وہ خود اپنے ۱۹۷۷ء میں منصفانہ انتخابات کرانے کے وعدے کی تکمیل کرتے، منتخب اکثریتی جماعت کو اقتدار منتقل کر کے بیرکوں میں واپس چلے جاتے۔

۵۔ اسلام کی رو سے میرے لیئے ایک انتہائی منافقت اور گناہ عظیم ہو گا کہ آپ کی اس دلیل سے اتفاق کروں کہ مارشل لاٗ اور ضیاء آمریت کا جاری رہنا جمہوریت اور اسلام کے لیئے سازگار ہو گا۔

جمہوریت صرف اسی صورت میں بحال ہو سکتی ہے کہ شہری آزادیاں دی جائیں۔ عام انتخابات منعقد کرائے جائیں اور اقتدار منتخب قومی اسمبلی کو سونپا جائے مارشل لاٗ کو جاری رکھنا، شہری آزادیوں کی اجازت نہ دینا انسانی حقوق کو پامال کرنا اور پاکستان کی مسلح افواج کو غلط استعمال کر کے کسی کے چہیتوں کی ٹولی کو اقتدار میں لانا حب الوطنی، جمہوریت اور اسلام کی نفی ہے۔

۶۔ (الف) صرف ایک منتخب اسمبلی ہی کو پاکستان کے شہریوں کے احتساب کا اختیار حاصل ہے۔ مسلح افواج کا کمانڈر انچیف کس اختیار کے تحت پاکستان کے غیر فوجی شہریوں کا احتساب کر سکتا ہے۔؟

(ب) جنرل ضیاء جنہوں نے خود پاکستان کے آئین کی خلاف ورزی کی ہے اور اپنے ملازمت کے حلف کو توڑا ہے۔ اب اپنی پسند کے چند غیر فوجیوں کو (جن میں بعض بدعنوان ہیں) قوم پر مسلط کیا ہے اور اپنی آمریت کو برقرار رکھنے کے لیئے چند سیاستدانوں یا افسروں کی جو ان کی حمایت کرتے ہیں مدد اور انہیں تحفظ فراہم کر رہے ہیں۔ جبکہ انہیں انتقام کا نشانہ بنایا جا رہا ہے چاہے وہ بدعنوان ہوں یا نہ ہوں۔ جو ان سے اتفاق نہیں کرتے ہیں۔

(پ) ہر پاکستانی اپنے ماضی کے تجربات کی بنیاد پر جانتا ہے کہ سیاسی اور انتظامی میدانوں سے بدعنوانی کا خاتمہ کسی جنرل کے مسلح افواج کو مطلق العنانہ طور پر استعمال کرنے سے نہیں ہو سکتا اس کے برعکس اس سے یہ امکانات بڑھ جاتے ہیں کہ مسلح افواج میں بدعنوانی اور اقتدار کی سیاست گھس پڑے۔

۷۔ اس وقت شدید ضرورت ہے کہ ملک کے فوجی حکمران بڑھتے ہوئے داخلی اور خارجی بحرانوں کی سنگینی کو محسوس کریں اور مسلح افواج کو سیاست سے نکال لیں بڑی طاقتیں اس علاقے میں بالادستی حاصل کرنے کے لیے پاکستان کو اپنی جنگ کا میدان بنانے کی کوشش کر رہی ہیں صرف ایک منتخب اور مقبول عام حکومت ہی وہ بین الاقوامی سطح پر تسلیم شدہ اہلیت و اختیار رکھتی ہے جس کے ذریعے اس نازک صورتِ حال سے نمٹ سکے۔

۸۔ آخر میں ایک بار پھر میں دہراتا ہوں کہ میرے کل اثاثے مثلاً کتابیں، کپڑے وغیرہ وغیرہ کی مجموعی مالیت تقریباً ۵ ہزار روپے (تقریباً دو سو ستر پاؤنڈ) ہے اور پاکستان میں مزدوروں، کسانوں اور غریب عوام کے جمہوری اقتدار کے لیئے جدوجہد میں میری مدد کرنے والے رشتہ داروں اور دوستوں کے واجب الادا قرضوں کی مالیت اس سے کہیں زیادہ ہے آپکا روانہ کردہ فارم پُر کرنے کے لیے متعلقہ دستاویزات میرے پاس نہیں رہی لیکن یقیناً آپ کے پاس وہ تمام وسائل ہیں جن سے میرے بیان کی تصدیق کی جا سکے

(باقی صفحہ ۴۶ پر)

پسندیدہ افراد کو قوم پر مسلّط کر دیا گیا

انتظامیہ عوام دوست اور
جمہوریت پسند اخبارات
کو بند کرنا چاہتی ہے

مارشل لاء اور آزادئ صحافت قطعی متضاد چیزیں ہیں کیونکہ مارشل لاء کا قیام بذات خود انفرادی اور اجتماعی آزادی کی نفی ہے اسی لئے مارشل لاء میں بنیادی انسانی حقوق سلب کر لئے جاتے ہیں اور جب کسی ملک کی منتخب جمہوری حکومت کو طاقت کے بل پر معزول کر کے عوام کی منتخب مقننہ توڑ دی جائے تو آزادی اظہار یا آزادئ صحافت بے حد مضحکہ خیز بات لگتی ہے لیکن اسے کیا کہیئے کہ چیف آف جنرل اسٹاف جنرل ضیاء الحق نے جب ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو "نظریہ ضرورت" کے تحت عنانِ حکومت سنبھالی تو انہوں نے اعلان کیا کہ پاکستان میں آئین کے معطل کئے جانے اور مارشل لاء کے نفاذ کے باوجود صحافت مکمل آزاد ہے اور صحافی جو چاہیں لکھ سکتے ہیں اس سے قبل بھٹو کے دور حکومت میں پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈیننس اور دوسرے کالے قوانین کے ذریعہ صحافت کا گلا گھونٹ دیا گیا تھا۔ حکومت پر نکتہ چینی کرنے والے اخبارات و جرائد پر پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں اور صحافیوں کو پس دیوار زنداں ڈال دیا گیا تھا لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔ پریس ایڈوائس کا سلسلہ بند کر دیا گیا ہے۔ اخبارات اگر چاہیں تو جنرل ضیاء الحق پر بھی تنقید کر سکتے ہیں۔

جنرل ضیاء الحق کا یہ اعلان بلاشبہ بہت اہم اور جرأت مندانہ تھا کیونکہ مارشل لاء کے نفاذ کے باوجود آزادی صحافت کی ضمانت بے شک خوش آئند اور جرأت مندانہ تھی اس لئے صحافیوں نے بحیثیت مجموعی اس اعلان کا خیر مقدم کیا اور اخبارات، ٹی وی اور ریڈیو میں ابتدائی چند دنوں تک "آزادی صحافت" کا کھلا مظاہرہ ہوتا رہا لیکن یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک جاری نہیں رہا اور ر...

کی بے قاعدگیوں کے بار...
افسران کی مداخلت کے با...
سے روک دی گئی۔ الیسا ہی...
کے گرد حکومت کا حلقہ...
پر پریس ٹرسٹ کے مقبوض...
اخبارات" کی جانب سے آزا...
اور اس کے رہنماؤں کی...
ہوگئی اور ہر قسم کی جھوٹی سچ...
سنسنی خیز انداز میں آٹھ کالم...

ہر جانیوالے پر چار حرف بھیجنے اور ہر آنیوالے کو سلام کرنے کی

جنگ آزادی سے
متعلق مضمون
پر بھی سنسر
کی قینچی
چلا دی گئی

شہزاد منظر

پ محکمہ خاندانی منصوبہ بندی
یک سنسنی خیز فلم بلو پرنٹ اعلا
عین وقت پر ٹیلی کاسٹ ہونے
ت کے ساتھ بھی ہوا۔ ان
ہونے لگا۔ سرکاری اشاعے
بارات اور موقع پرست "آزاد
حافت" کے نام پر پیپلز پارٹی
یمانے پر کردار کشی شروع
ن کمک مرزح کے ساتھ نہایت
رخیوں کے ساتھ شائع کی گئیں

جن کی تصدیق تک کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ ان خبروں میں خواجہ خیرالدین کے اغوا اور ان پر مبینہ تشدد کے واقعات بھی شامل ہیں (جن کے بارے میں خود مسلم لیگیوں نے انکشاف کیا ہے کہ ان کے ساتھ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور اغوا کا واقعہ قطعی من گھڑت ہے)

۹۰ دنوں کے اندر انتخابات کرانے کا وعدہ فراموش کرنے اور عوام میں پیپلز پارٹی کی بے پناہ مقبولیت کا اندازہ کرنے کے بعد سیاست دانوں کی نام نہاد تطہیر اور احتساب کا اعلان کیا گیا اور اسی کے ساتھ اخبارات پر خصوصاً حکومت پر نکتہ چینی کرنے والے اخبارات کے بارے میں حکومت کا رویہ سخت ہوتا گیا۔ آزادی صحافت اور حکومت پر نکتہ چینی کرنے کے حق کی ضمانت دینے کے باوجود حکومت کے مخالف صحافیوں کو الٹا لٹکا دینے کی دھمکی دی گئی پھر ایڈیٹروں اور صحافیوں کو جیلوں میں بند کر دیا گیا اور مساوات (کراچی۔ لاہور) پر پابندی عائد کر دی گئی اور "الفتح" اور "معیار" کو مختلف انداز میں انتقامی کارروائیوں کا ہدف بنایا گیا جس کے خلاف نہ صرف پاکستان بھر کے صحافیوں، دانشوروں اور جمہوریت پسندوں نے احتجاج کیا بلکہ عالمی رائے عامہ نے بھی حکومت کے اس اقدام کی شدید لفظوں میں مذمت کی۔ بالآخر طویل جدوجہد کے بعد "مساوات" کی اشاعت بحال کی گئی لیکن آزادی صحافت کی جدوجہد اس کے بعد بھی جاری رہی کیوں کہ حکومت نے اس کے بعد بھی مخالف اخبارات و جرائد کا گلا گھونٹنے کا سلسلہ جاری رکھا۔

آزادی صحافت کے سلسلہ میں صحافیوں کا موقف بالکل واضح ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر حکومت کو کسی اخبار یا جریدہ کے مندرجات سے شکایت ہے اور اس کے خیال میں اس سے ملک کی آزادی، سالمیت، یکجہتی، امن عامہ اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تو وہ ملک میں مروجہ قوانین کے تحت عدالت میں مقدمہ دائر کرے اور عدالت جو فیصلہ کرے اس پر عمل کرے۔ پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈی نینس یا دوسرے غیر معمولی قوانین کے ذریعہ آزادی صحافت کا گلا گھونٹنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ صحافیوں کا کہنا ہے کہ حکومت کو بیک وقت "مدعی اور منصف بننے کا حق" نہیں دیا جا سکتا۔ حکومت اور اخبارات کے درمیان تنازعہ کا فیصلہ عدالت میں ہونا چاہئیے جبکہ مارشل لا کا بھی دعویٰ ہے کہ پاکستان کی عدلیہ قطعی آزاد ہے لیکن حکومت سیدھے سادے جمہوری اصولوں پر عمل کرنے کے بجائے سابقہ حکومتوں کی طرح غیر جمہوری طرز عمل پر ہی عمل کرتی رہی اور یکے بعد دیگرے مخالف اخبارات و جرائد پر پابندیاں عائد کرتی رہی۔

صحافیوں کو فوجی حکام سے اس ضمن میں زیادہ شکایت اس لئے نہیں تھی کہ جمہوری قدروں کی پامالی ان کا شیوہ تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ آپریشن فیئر پلے کے وعدے کے مطابق ۹۰ دنوں کے اندر انتخابات کرا کر اپنے بیرکوں میں واپس جا چکے ہوتے لیکن ایسا نہیں ہوا اس لئے انہیں زیادہ دنوں تک اقتدار میں رہنے کے لئے آزادی اظہار کا گلا گھونٹنا پڑا ایسا کرنا فطری امر تھا لیکن قومی اتحاد کے وزیروں کے مارشل لا کابینہ میں شامل ہو کر اسے "سول کابینہ" کا نام دینے کے بعد صورتحال اور بھی گمبھیر ہو گئی۔ پاکستان قومی اتحاد اور اس میں شامل سیاسی جماعتیں ہمیشہ سے آزادی تحریر و تقریر اور آزادی صحافت کے بارے میں بلند بانگ دعوے کرتی رہی ہیں چنانچہ بھٹو حکومت کے آخری دور میں قومی اتحاد نے "یوم آزادی صحافت" بھی بڑے تزک و احتشام سے منایا تھا اور عوام سے برسر اقتدار آنے کی صورت میں صحافت کو مکمل آزاد کرنے، پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈی نینس اور آزادی صحافت پر اثر انداز ہونے والے دیگر قوانین منسوخ کرنے اور پریس ٹرسٹ کو توڑ دینے کا وعدہ بھی کیا تھا اس لئے قومی اتحاد آزادی صحافت کے سلسلے میں قطعی کمیٹڈ تھا لیکن مارشل لا کے زیر سایہ لیلائے وزارت کے جلوے دیکھتے ہی پی این اے آزادی صحافت سے متعلق اپنے تمام وعدے بھول گیا اور جماعت اسلامی کے رہنما اور وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات نے اعلان کیا کہ "پاکستان میں اس وقت صحافت کو جتنی آزادی حاصل ہے اس سے قبل پاکستان کی تاریخ کے کسی بھی دور میں حاصل نہیں تھی کیونکہ پریس ایڈوائس کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔

مارشل لا کے عہد میں مکمل آزادی صحافت حاصل ہونے کا نعرہ جماعت اسلامی کے حامی اخبارات و جرائد جسارت، زندگی، اردو ڈائجسٹ، بادبان اور نوائے وقت وغیرہ بلند کرتے رہے ہیں کیونکہ انہیں بھٹو اور پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کے خلاف یاوہ گوئی اور کردار کشی کی مکمل آزادی حاصل تھی، دوسری جانب انہیں سرکاری اشتہارات اور کاغذ کے کوٹے اور لائسنس سے بھی خوب نوازا جا رہا تھا اس لئے اگر وہ مارشل لا میں صحافت کی مکمل آزادی کا نعرہ بلند کر رہے تھے تو کوئی حیرت کی بات نہیں تھی جبکہ روشن ضمیر صحافیوں کا کہنا تھا کہ حکومت اور قومی اتحاد کے کاسہ لیس رہنما جس قسم کی آزادی صحافت کا دعویٰ کر رہے ہیں، ایسی آزادی ہر دور میں حاصل تھی۔ جانے والے حکمرانوں پر چار حرف بھیجنے اور ان کا کچا چٹھا بکھیرنے کی آزادی کو آزادی صحافت نہیں کہتے۔ آزادی صحافت جابر حکمرانوں کے سامنے کلمۂ حق ادا کرنے کی آزادی کو کہتے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق نے بارہا صحافیوں کو دعوت دی تھی کہ وہ اگر ان کی ذات میں بھی خامی پائیں تو بلا جھجک اس کی نشاندہی کریں کیونکہ اسلام کی روایت ہے کہ امیر المومنین کی ذات پر بھی شبہ ہو کہ غلط کام کر رہا ہے تو مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس کا دامن پکڑے چنانچہ جب بعض اخبارات نے اسلام کی روایات پر عمل کرتے ہوئے ان کی ذات اور ان کی پالیسی پر نکتہ چینی شروع کی تو انہیں نہ صرف الٹا لٹکا دینے کی دھمکی دی گئی بلکہ عملی طور پر جیلوں اور اذیت گاہوں میں سچ مچ الٹا لٹکا دیا گیا۔ انہیں کوڑے مارے گئے اور ان پر

ی آزادی کو آزادی صحافت نہیں کہتے

جلیبی میں انسانیت سوز ذہنیت ڈھائی گئیں پھر ان کی جانب سے کہا گیا حکومت صحافیوں کی صحت مند اور تعمیری تنقید کا خیر مقدم کرے گی۔ آج تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ بیمار اور تخریبی تنقید کیا ہوتی ہے؟ تنقید تنقید ہوتی ہے اور نکتہ چینی نکتہ چینی۔ یہ صحت مند اور تعمیری تنقید کیا ہوتی ہے؟ لیکن حکمرانوں کا دعویٰ ہے کہ وہ صرف تعمیری تنقید کا خیر مقدم کریں گے۔ اگر تخریبی "تنقید" ہوئی تو وہ مخالف اخبارات و جرائد کا تیا پانچا کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے دعوے کے مطابق مساوات۔ امن، صداقت، تعمیر، حیات۔ نجات الفتح اور معیار کل کو۔ اور جرائد پر سنسر شپ عائد کر دیا اور ان اخبارات و جرائد پر الزام عائد کیا کہ یہ اخبارات ملک میں صحافت کو دی جانے والی آزادی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے سخت غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور ایسی خبریں اور تبصرے شائع کر رہے ہیں جن سے ملک کی سالمیت، یکجہتی، امن عامہ اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو نقصان پہنچ سکتا ہے لہٰذا ان اخبارات و جرائد کو قبل از اشاعت تمام مواد سنسر کرانا ہو گا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ سنسر صرف ان اخبارات و جرائد پر عائد کیا گیا ہے جو حکومت سے اختلاف رائے رکھنے کے باعث اس پر نکتہ چینی کرتے ہیں لیکن جیسا کہ تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہو چکا ہے ان مخالف اخبارات و جرائد پر سنسر نافذ کرنے کا اصل مقصد بعض خبروں کی اشاعت کو روکنا نہیں بلکہ مخالف اخبارات کو گلا گھونٹ کر مار دینا ہے کیونکہ ان اخبارات و جرائد میں جو خبریں سنسر کر دی جاتی ہیں وہی خبریں جنگ، حریت، جسارت اور دوسرے اخبارات میں شائع ہو جاتی ہیں۔ اس طرح حکومت کی جانب سے سنسر کی زد میں آئے ہوئے اخبارات و جرائد میں بعض خاص خبروں کی اشاعت کو روکنے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ روزنامہ "مساوات" سے پیپلز پارٹی کے کارکنوں کی گرفتاری اور سزا یابی کے بارے میں خبر رساں ایجنسیوں کی ارسال کردہ ایسی خبروں کو اکھاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے جو بڑے شان سے دوسرے اخبارات میں شائع ہوتی ہیں مثلاً مولانا احتشام الحق تھانوی کا عام انتخابات کے بغیر پی این اے کو اقتدار منتقل کرنے سے متعلق بیان کو "مساوات" (کراچی) میں جابجا سنسر کر دیا گیا جبکہ یہی بیان جنگ اور دوسرے اخبارات میں حرف بحرف شائع ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سنسر کے نفاذ سے حکومت کا اصل مقصد بعض خبروں کی اشاعت کو روکنا ہرگز نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ "قابل اعتراض" خبریں دوسرے اخبارات میں بھی شائع نہ ہوتیں بلکہ خبر رساں ایجنسیوں میں ہی (جو تمام تر سرکاری ہیں) "کیل" (KILL) کرا دی جاتیں لیکن جیسا کہ سب جانتے ہیں حکومت کا مقصد ایسے حالات پیدا کر دینا ہے کہ تمام مخالف اخبارات و جرائد خود بخود بند ہو جائیں اور حکومت پر صحافیوں کو بے روزگار کر دینے کا الزام بھی عائد نہ ہو، اس سے قبل جب "مساوات" (لاہور اور کراچی) بند کر دیا گیا تھا تو حکومت پر ایک ہزار سے زیادہ اخباری کارکنوں کو بے روزگار کر دینے کا الزام عائد ہو گیا تھا لیکن حکومت نے اس دفعہ مخالف اخبارات سے انتقام لینے کے لئے نہایت شاندار انداز میں قدم اٹھایا ہے حکومت اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے کہ حکومت کے مخالف اخبارات کو نہ تو سرکاری اشتہارات ملتے ہیں اور نہ پرائیویٹ فرموں کے اشتہارات۔ انہیں کاغذ کا کوٹہ بھی حاصل نہیں ہے۔ یہ تمام اخبار کثیر الاشاعت ہیں لیکن وہ صرف سرکولیشن کی بنیاد پر چلتے ہیں۔ چنانچہ سنسر کی زد میں آتے ہوئے اخبارات میں پیپلز پارٹی اور بھٹو سے متعلق خبریں شائع نہیں ہوں گی اور وہی خبریں (بگڑی ہوئی شکل میں) پریس ٹرسٹ اور دوسرے نام نہاد "آزاد" اخبارات میں شائع ہوں گی، تو عوام ان اس معتوب اخبارات پڑھنے کے بجائے حکومت کے ہم نوا اخبارات پڑھیں گے اور اس طرح ان کی اشاعت گر جائے گی اور یہ تمام اخبارات و جرائد سسک سسک کر دم توڑ دیں گے۔

حکومت کی سنسر شپ پالیسی بھی خوب ہے انفارمیشن آفیسرز کو پاکستان کے بارے میں خبروں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ دوسرے ممالک سے متعلق خبروں کی اشاعت پر بھی سخت اعتراض ہے مثلاً "مساوات" (کراچی) میں ایران کے مارشل لا اور پرتگالی فوج کے بارے میں ایک مختصر سی خبر شائع ہوئی جسے سنسر آفیسر نے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ "مساوات" (کراچی) کے ادبی صفحہ پر ناہید سلطان مرزا کا ایک علامتی افسانہ بعنوان "انسان، جگنو اور جنگل" شائع ہوا جس سے ایک پیراگراف کاٹ دیا گیا جس میں جگنو کی خود سوزی سے جنگل میں روشنی کی کرن پیدا ہونے کا ذکر تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مذکورہ افسانہ آج سے چار سال قبل ماہنامہ "افکار" میں شائع ہو چکا تھا۔ اردو کے مشہور افسانہ نگار اور روزنامہ "مساوات" کے سابق چیف ایڈیٹر شوکت صدیقی ان دنوں مساوات میں "اوراق پارینہ" کے مستقل عنوان سے جنگ آزادی میں مسلمانوں کی جدوجہد کی داستان قلم بند کر رہے ہیں۔ چنانچہ سنسر آفیسر نے ان کے مقالہ کے عنوان کو کاٹ دیا۔ جس کا عنوان تھا۔ "پنجاب میں کسانوں کی بغاوت" "مساوات" (کراچی) نے اپنی ۲ر نومبر کی اشاعت میں اپنے ادارتی صفحہ پر روزنامہ "ڈان" کے نمائندہ (مقیم لندن) یحییٰ سید کے "مکتوب لندن" کو "ڈان" کے شکریہ کے ساتھ شائع کیا لیکن سنسر کی قینچی نے اس کو بھی نہیں بخشا۔ لاہور اور کراچی کے سنسر افسران کے درمیان کوئی مطابقت نہیں ہے مثلاً لاہور کے سنسر حکام نے سنسر سے متعلق "شاعر مساوات" کی ایک مزاحیہ نظم کو لاہور ایڈیشن میں شائع کرنے کی اجازت دے دی جب کہ اسی نظم کو کراچی سنسر نے کاٹ دیا۔ ایک ہی اداریہ جو کراچی سنسر کی نظروں میں قابل اشاعت ٹھہرتا ہے۔ وہ لاہور سنسر کی نظروں میں قابل اعتراض ٹھہرایا جاتا ہے۔

سنسر حکام کی بوالعجبیاں اپنی جگہ۔ سب سے قابل اعتراض بات یہ ہے کہ ۲۶ر اکتوبر کو گوجرانوالہ میں ایک طالب علم کے بس سے گر کر ہلاک ہو جانے پر اسلامی جمعیت طلبا کے کارکنوں نے جو ہنگامہ و فساد برپا کیا۔ سرکاری املاک کو نقصان پہنچایا اور جس کے نتیجہ میں پولیس کو گولی چلانا پڑی اس کی تفصیلی خبر ملک کے تقریباً تمام قومی اخبارات میں اپنے نمائندوں کے حوالے سے شائع ہوئی لیکن مساوات (کراچی) کو پریس ایڈوائز کے ذریعہ مجبور کیا گیا کہ وہ اس حادثہ کے بارے میں صرف خبر رساں ایجنسیوں کی خبر شائع کرے اور وہ بھی آخری صفحہ پر دو کالمی سرخیوں کے ساتھ شائع کرے۔ جماعت اسلامی کے رہنما اور وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات محمود اعظم فاروقی بارہا اعلان کر چکے ہیں کہ پاکستان میں صحافت بالکل آزاد ہے اور اخبارات کو پریس ایڈوائز کے ذریعہ خصوصی ہدایات دینے کا سلسلہ بند ہو چکا ہے جب کہ "مساوات" اور دوسرے معتوب اخبارات کو پریس ایڈوائز دینے کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلام پسند محمود اعظم فاروقی جھوٹ بول رہے ہیں یا صوبائی محکمہ اطلاعات کے افسران؟

یہ بات قابل ذکر ہے کہ حکومت کو نہ صرف حکومت اور فوج پر تنقید کرنے پر اعتراض ہے بلکہ حکومت کے منظور نظر قومی اتحاد کے رہنماؤں پر بھی نکتہ چینی کرنے

(باقی ص ۵ پر)

کون حق پر ہے

کون غلطی کر رہا ہے

ظفر قریشی

امام احمد ابن حنبلؒ اپنی عمر کے اس دور میں تھے، جب آدمی چل چلاؤ کی تیاری کرتا ہے۔ اس زمانے میں بغداد میں ایک گروہ نے حکومت کا تختہ اُلٹ دیا۔ امام حنبلؒ کا اس تبدیلی سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں تھا لیکن وہ اس وقت کیا کرتے جب برسرِ اقتدار آنے والوں نے اپنے اقدام کی توثیق کرانی چاہی تو امام حنبلؒ نے اس اقدام کی توثیق کرنے سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں برسرِ اقتدار آنے والوں نے انہیں ایک ہزار کوڑوں اور قید با مشقت کی سزا دی۔ قید با مشقت کی نوبت تو کیا آتی، امام حنبلؒ کا دُبلا پتلا بوڑھا جسم ایک ہزار کوڑے برداشت نہ کر سکا اور ان پر نزع کا عالم طاری ہو گیا۔ اس موقع پر کسی نے ان سے پوچھا کہ ان کا اپنے قاتلوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟

انہوں نے کہا۔ "میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ مجھے کوڑے یہ سمجھ کر مارے گئے کہ وہ حق پر تھے اور میں اُن کے اقدام کی توثیق نہ کر کے غلطی کر رہا ہوں۔ میں ایسے لوگوں سے انصاف کی کیا توقع رکھوں جنہیں یقین ہے کہ وہ حق پر ہیں۔"

——— دی وے آف دی صوفی، ادریس شاہ

ایک بیٹے کو مسلم لیگی اور دوسرے کو آزاد سیاستدان بناؤں گا

سارے فساد کی جڑ کتابیں اخبارات اور جرائد ہیں!

کتابوں کے ایک شوقین دوست سے، عرصے کے بعد ملاقات ہوئی۔ اتنا عرصہ غائب رہنے کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ پنجاب کے دورے پر گیا ہوا تھا۔ میرا یہ دوست ایک بینک سے متعلق ہے اور بینک ہی کے کام سے وقتاً فوقتاً پنجاب کے چکر لگاتا رہتا ہے۔ اس کے بارے میں میری یہ سوچی سمجھی اور دیکھی بھالی رائے تھی کہ وہ ہوش مند آدمی ہے۔ لیکن اس دن اس نے جو باتیں کیں، ان کو سننے کے بعد، میں نے اپنی رائے فی الفور تبدیلی کر لی۔ مثلاً سیاست کے بارے میں سوال کیا تو کہنے لگا۔ "جناب۔ اپنے بینک کی نئی شاخ کھولی تھی اور ایک ہفتے میں تقریباً ۷ لاکھ روپیہ جمع کرایا گیا ہے۔" ثقافتی سرگرمیوں کے سلسلے میں کچھ جاننا چاہا تو کہنے لگا۔ "غریبوں کی ثقافتی سرگرمی تو ان کی بیویاں ہیں۔ جن کے پاس روپیہ ہے، ان کی ثقافتی سرگرمیوں کا یہ عالم ہے کہ 'صحیح' لوگوں کے ساتھ تعلقات ان کا اوڑھنا اور بقدرِ رقم ان کا بچھونا ہے۔" وہ بے پر کی ہانک رہا تھا، اس لئے میں نے سوچا کہ شاید وہ تعلیمی صورتِ حال پر ہی کچھ روشنی ڈالے گا لیکن افسوس کہ یہ سوال بھی اسے ہوش میں نہ لا سکا۔ بولا۔ "جو پڑھے لکھے ہیں وہ بہت زیادہ پڑھے لکھے ہیں۔ خصوصاً مرد اور جنہوں نے تعلیم کی طرف توجہ نہیں دی، وہ سیاست یا دولت سے اپنا عیب چھپاتے ہیں اور اگر محسوس کریں کہ اس میں ناکامی ہو رہی ہے تو اپنی اولاد کو ایسی ملازمت میں کھپانے کی کوشش کرتے ہیں، جس میں اس کا مستقبل نہ صرف محفوظ رہے بلکہ یہاں کی دیرینہ روایت کے مطابق زینے کی بجائے لفٹ کے ذریعے ترقی کرے اور حاکمِ اعلیٰ کے عہدے پر جا پہنچے۔ بانکا سجیلا بھی نظر آئے تاکہ اسے ضرورت سے رتی بھر زائد علم حاصل کر کے اپنی آنکھیں بھی خراب نہ کرنی پڑیں۔"

ان واہی تباہی جوابات سے میں بیزار ہو چکا تھا، اس لئے میں نے اس سے کہا۔ "آؤ، بازار میں کچھ نئی کتابیں آئی ہیں، چل کر دیکھیں۔" میری اس پیشکش پر اس نے میری طرف اس طرح دیکھا جیسے اسے سخت حیرت ہوئی ہے۔ میں اس کے اظہارِ حیرت پر حیران ہوا اور چند لمحوں تک حیرانی کے سمندر میں غوطے لگاتا رہا۔ قبل اس کے کہ میں اس میں غرق ہو جاتا، اس نے کہا۔ "بے وقوف ہوتے ہو کیا؟ اچھے بھلے آدمی ہو کر کتابیں پڑھتے ہو؟ چھی چھی۔ کتابیں دماغ خراب کرتی ہیں۔ ایک یہی تو بات میں وہاں سے سیکھ کر آیا ہوں کہ روپیہ ہر چیز پر ضائع کیا جا سکتا ہے، سوائے کتابوں کے، پہلے کی بات چھوڑ دو، اب میرا ایمان ہے کہ کتابوں پر ضائع کیا جانے والا روپیہ اپنا انتقام ضرور لیتا ہے۔ اس لئے میرے دوست، میری تم سے استدعا ہے کہ اوندھی سیدھی کتابیں مت پڑھو، ورنہ مارے جاؤ گے۔"

"کیسی احمقانہ باتیں کر رہے ہو۔" میں نے کہا۔

جس کے جواب گہری نظر سے جائزہ لیتے ہوئے وہ بولا۔ "میں بالکل صحیح کہہ رہا ہوں۔ سارے فساد کی جڑ، کتابیں، اخبارات اور جرائد ہیں۔ اگر یہ دونوں نہ ہوں تو زندگی کتنی پُرسکون ہو جائے، خیر، میں تو خوش ہوں کہ اخبارات اور جرائد پر سنسر شپ لگا دی گئی ہے۔ اس طرح مجھے کم از کم اب جمہوریت کی بحالی، بنیادی حقوق کی بحالی اور آئین کی پامالی جیسے مسائل کے بارے میں تو نہیں پڑھنا پڑتا اور ظاہر ہے کہ جب تم یہ چیزیں پڑھو گے نہیں تو تمہیں ان کا خیال بھی نہیں آئے گا اور جب خیال نہیں آئے گا تو کوئی پریشانی بھی نہیں ہو گی۔ ہاضمہ ٹھیک ٹھاک رہے گا، نیند اچھی آئے گی۔ ڈراؤنے خوابوں اور بدہضمی سے محفوظ رہو گے۔"

میں نے دل ہی میں اس کے قطعی پاگل ہو جانے پر اظہارِ افسوس کیا۔ لیکن جدید ماہرینِ نفسیات نے کہا ہے کہ پاگلوں پر کبھی یہ ظاہر نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ پاگل ہیں، کیونکہ بصورتِ دیگر وہ مرنے مارنے پر

آمادہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ خواتین و حضرات! میں نے اس کی ہاں میں ہاں ملانی شروع کی۔ ہاں میں ہاں ملانا اتنا مشکل کام نہیں جتنا انگریز یا دوسرے نام نہاد جمہوریت پسند لوگ سمجھتے ہیں۔ میں نے کہا۔ "دوست باتیں تو تم بڑے پتے کی کر رہے ہو۔ آؤ اس ہوٹل میں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں اور گپ لگاتے ہیں۔" میری اس تجویز پر وہ بے حد خوش ہوا اور ہم دونوں 'ڈی کلاس' ہونے کے ناتے ایک ملباری کے ہوٹل میں داخل ہو گئے۔

چائے آئی۔ پہلے گھونٹ کے بعد میں نے اُس سے کہا۔ "ارشاد!"

"کون ارشاد؟" وہ پلٹ کر باہر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میرا مطلب ہے کہ اپنی تقریر جاری رکھو۔" میں نے وضاحت کی۔

"اچھا۔ ہاں، تو میں کہہ رہا تھا کہ یہ سب فضول باتیں ہیں کتابوں وغیرہ کی۔ کچھ روپیہ بنانے کی بات کرو۔ اور اگر روپیہ بنانے کا گر نہیں آتا تو اپنے ہاتھ پیر مضبوط رکھنے اور اپنے گھر والوں کے لئے اپنے آپ کو زندہ رکھنے کی خاطر ایسے لوگوں سے دوستی کرو جن پر ہمیشہ اللہ کی رحمت کا سایہ ہوتا ہے۔ اب مجھے دیکھو، میں نے پہلے سوچا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے چار لڑکے اور ایک لڑکی دی ہے بس یہ کافی ہے۔ مگر اب میں سوچتا ہوں کہ چار چھ بچے اور ہو جانے چاہئیں تاکہ ان میں سے ایک کو ڈاکٹر، ایک کو انجینئر، ایک کو وکیل، ایک کو بینکر، ایک کو سول سرونٹ، ایک کو تاجر، دو کو لفنگے اور ایک کو پولیس افسر بنوا دوں اور ایک کو اپنی قبیل کے لیکن زیادہ مراعات یافتہ ادارے میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے افسر بھرتی کروا سکوں۔ اس طرح میرا بڑھاپا بڑے آرام سے کٹے گا۔ ایک محبِ وطن شہری ہونے کے باوجود بھی اگر ملک میری فکر نہیں کرتا تو نہ سہی، میری اولاد تو مجھے ہر طرح کا آرام دینے کے لئے موجود رہے گی۔ بینکر بیٹا مجھے قرضے دلائے گا اور میں ادا نہیں کروں گا تو وکیل بیٹا میرے مقدمے لڑے گا۔ کسی مقدمے میں اگر ہارنے کی نوبت آ جائے تو اسپتال میں داخل کرنے کے لئے ڈاکٹر بیٹا موجود رہے گا۔ انجینئر بیٹا ناقص مال استعمال کر کے کئی کئی منزلہ فلیٹ تعمیر کرے گا اور ضرورت کے وقت میری مالی امداد کرے گا۔ تاجر بیٹا خوب منافع کمائے گا اور بڑھاپے میں مجھے ہوائی جہاز کے ذریعے حج کے لئے بھیجے گا۔ دونوں لفنگے بیٹے سیاستدان بنیں گے اور ان کو سیاسی اسٹیج پر برقرار رکھنے میں میرا پولیس والا بیٹا کار آمد ثابت ہوگا اور جہاں وہ ناکام ہوگا وہاں میرے وہ بیٹے کام آئیں گے جنہیں میں سول سرونٹ یا کسی بہت زیادہ مراعات یافتہ ادارے میں افسر بھرتی کراؤں گا۔"

"مگر یہ تو کوئی مختلف رویہ نہیں ہے ہمارے ملک کی آبادی کا نصف سے زائد حصہ یہی کر رہا ہے۔ تم پڑھے لکھے آدمی ہو، لوگوں کو صحیح راہ دکھانا تمہارا فرض ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"میں باز آیا لوگوں کو راہ دکھانے سے! اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ لوگوں کی اور ان لوگوں کی، جو ہر دور میں اقتدار کے ساتھ رہنے کا گر جانتے ہیں، بتائی ہوئی راہ پر چلوں گا۔" وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

"خیر یہ بتاؤ کہ اپنے دو مجوزہ لفنگے بیٹوں کو کن سیاسی جماعتوں میں شامل کرو گے؟" میں نے پوچھا۔

"ایک تو جناب جائے گا مسلم لیگ میں اور دوسرے کو بھیجوں گا پیپلز پارٹی میں۔" اس نے قطعیت سے کہا۔

"مسلم لیگ کی بات تو سمجھ میں آتی ہے، لیکن دوسرے بیٹے کو پیپلز پارٹی میں کیوں شامل کراؤ گے، ذرا اس کی وجہ بھی بتاؤ۔"

"پیپلز پارٹی کا نام تو میں نے یونہی لے دیا تھا۔ دراصل اسے میں آزاد سیاستدان بناؤں گا اور اس کی تربیت شیرِ سرحد خان عبدالقیوم خان کی سیاسی زندگی کو سامنے رکھ کر کروں گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو جماعت پیپلز پارٹی کی طرح مقبول ہوگی، اس میں میرا بیٹا اپنے ہزاروں حامیوں سمیت شامل ہو جائے گا۔"

"فرض کرو کہ اگر تمہارے بیٹے کو سات سال کے لئے نااہل قرار دے دیا جائے تب کیا ہوگا؟" میں نے جعلی دلچسپی ظاہر کی۔

"یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ تم بھول رہے ہو۔ میں نے کہا تھا کہ اس کی تربیت خان عبدالقیوم کی سیاسی زندگی کے خطوط پر کروں گا۔ اس کی دوستی مولانا کوثر نیازی قبیل کے لوگوں سے ہوگی، اسی طرح ہر چھ سات برس کے بعد جو گروہ برسرِ اقتدار آئے گا، اس میں ان کے توسط سے اس کے روابط ہوں گے۔ پیر پگاڑو کی طرح وہ اپنی پسند کی حکومت کو برقرار رکھنے کے لئے جماعتی دھڑے بندیاں، ڈرائنگ روم کی سیاست اور اسی قسم کی اچھل پھاند کرے گا اور انشاء اللہ کوئی اس کا بال بیکا نہ کر سکے گا۔"

"میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے اتنے منصوبے کیونکر بنا لیتے۔" میں نے کہا۔ "بھائی یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تمہارے بیٹے، تمہاری طرح شریف شہری بننا پسند کریں۔"

"ہرگز نہیں۔ جو میں چاہوں گا، وہی ہوگا۔ اور اگر وہ میری مرضی کے مطابق عمل نہیں کریں گے، تو میں..... میں.....؛" یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں، اس نے میز پر رکھا ہوا پانی کا گلاس اٹھا لیا اور ہاتھ سر سے بلند کر کے کہنے لگا۔ "میں ان کا سر پھوڑ دوں گا۔" دوسرے ہی لمحے گلاس فرش پر ریزہ ریزہ ہو کر بکھر چکا تھا۔ ہوٹل میں بکھرے ہوئے بیرے دوڑ کر قریب آ گئے اور انہوں نے میرے دوست کو دونوں بغلوں میں ہاتھ دے کر ہوٹل سے باہر نکال دیا۔

ٹوٹے ہوئے گلاس سمیت دو چائے کا بل دے کر میں باہر نکلا تو سنسر کی زد میں نہ آنے والے ایک نیم سرکاری اخبار کی سرخیوں پر نظر پڑی، جو فٹ پاتھ کے ایک اخبار فروش کی گود میں رکھا تھا۔ ایک سرخی تھی: "۱۹۷۳ء کے آئین کو عوام نے مسترد کر دیا ہے۔" وزیرِ دفاع میر علی احمد تالپور اور دوسری سرخی تھی: "عوامی نمائندوں کی متفقہ رائے سے تیار ہونے والے ۷۳ء کے آئین کی مخالفت غداری ہے۔" نواب زادہ نصراللہ خان۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہر دو حضرات حکومت سے متعلق ہیں۔ ایک چھوٹے صوبے سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا بڑے صوبے سے! کون حق پر ہے اور کون غلطی کر رہا ہے؟ واللہ اعلم بالصواب،

جمہوریہ کی چار ٹانگیں

ٹوٹ گئی ہیں صرف غیر ذمہ دار

انتظامیہ کی ٹانگ باقی ہے

مزدور کسان پارٹی کے
صدر اسحاق محمد

سے انٹرویو
نواز خلجی

پیپلز پارٹی سے ترقی پسندوں کا اتحاد ناگزیر عمل بن چکا ہے

گزشتہ روز مزدور کسان پارٹی کے صدر جناب میجر اسحاق محمد صاحب اپنے دورۂ سندھ کے دوران نواب شاہ تشریف لائے تو ہم نے بھی ان سے ملاقات کی اور موقعہ غنیمت سمجھتے ہوئے اپنے قارئین کے لئے ملک کی موجودہ سیاست اور صورتِ حال کے بارے میں چند سوالات کئے جن کے جوابات قارئین کی نذر ہیں۔

خلجی: پاکستان کی موجودہ سیاسی صورتِ حال کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

اسحاق: میجر صاحب نے سوال سن کر کچھ دیر کے لئے آنکھیں بند کیں اور کچھ سوچتے رہے اور پھر گویا ہوئے کہ "ملک کی موجودہ سیاسی صورتحال کا جائزہ لینے سے پہلے ضروری ہے کہ ری پبلک پر روشنی ڈال دی جائے تاکہ بات واضح طور پر سمجھ میں آسکے"۔

ہمارا ملک پاکستان ایک ری پبلک ہے انسانی سماج میں ری پبلک کا تصور بڑا پرانا ہے۔ افلاطون کی ایک کتاب کا ٹائیٹل بھی ری پبلک تھا لیکن وہ غلام داروں کی ری پبلک تھی جس میں نہ غلاموں کو رائے دینے کا حق تھا اور نہ عورتوں کو اور نہ ہی اجنبی لوگوں کو، بلکہ ملکیت داری کی کچھ شرائط تھیں، اسلام کی بعثت کے وقت کچھ اسی قسم کی پسماندہ ری پبلک مکہ کے قریش میں بھی رائج تھی، قدیم روم میں بھی ایسی ہی ری پبلک تھی لیکن پاکستان کی ری پبلک موجودہ دور کی ری پبلکوں میں سے ہے جس کا تصور یورپ اور شمالی امریکہ میں سترھویں اٹھارھویں صدیوں میں جدید صنعتی انقلاب کے نتیجے میں وجود میں آیا۔ اس کی مختلف شکلیں انگلستان میں ۱۶۸۸ء امریکہ میں ۱۷۷۶ء اور فرانس میں ۱۷۸۹ء میں جاگیرداروں یا نوآبادیاتی نظاموں کے خلاف خونریز انقلابوں کے بعد وجود میں آئیں۔ ہمارے ملک کی طرح جدید ری پبلک پانچ سہاروں پر قائم ہوتی ہے۔ (۱) اقتصادی خود انحصاری (۲) عوامی اقتدار (۳) عوامی اقتدار کے تابع ایک مقننہ یا

قانون ساز اسمبلیاں (۴) ، قانون کی بالادستی کے لئے ایک خود اعتماد معزز عدلیہ (۵) قانون کے نفاذ کے لئے ایک قانون کی وفادار انتظامیہ ۔

ہمارے ملک کی تعمیر میں بنیادی خرابی یہ ہے کہ شروع دن سے ہی اقتصادی لحاظ سے دوسرے ملکوں کا دست نگر رہا ہے ۔ چنانچہ انہی مجبوریوں کے تحت ہمیں بہت حد تک اپنی خود مختاری سامراجی طاقتوں کے پاس رہن رکھنی پڑی ۔ ملک کو سامراجی مفادات کے تحفظ کے لئے بنائے گئے فوجی معاہدوں میں جکڑ دیا گیا ۔ ملک میں سامراجی چھتری کے تحفظ میں ایک فرسودہ سماج کو تحفظ دیا گیا ۔ اور ملک کی باگ ڈور انگریز کے "پیدا کئے" ہوئے اور پالے ہوئے جاگیرداروں ، امریکی سامراج سے منسلک سرمایہ داروں اور ایک عوام دشمن غلامانہ ذہنیت کی مالک ظالم افسر شاہی کے سیاسی غلبے میں آ گئی جس کے نتیجے میں ری پبلک کی صحیح اسپرٹ کچل دی گئی چنانچہ ملک میں مارشل لاؤں کا نفاذ کالے قوانین کی بھرمار شہری آزادیوں کا فقدان ایک مجبور عدلیہ اور مفلوج انتظامیہ ہماری مختصر تاریخ کا طرۂ امتیاز رہے ہیں ۔

عوام کا اقتدار قائم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے وہ ہے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر آزادانہ انتخابات ۔ پاکستان کی تاریخ میں ایسا انتخاب صرف ۱۹۷۰ء میں ہوا جس سے ملک کے بنیادی ڈھانچے میں موجود وہ تمام خرابیاں ظاہر ہو گئیں ، جو اس سے پہلے ۲۳ سال تک چھپائی گئیں تھیں ، یعنی اندر کی بیماری باہر آ گئی اور ملک دو ٹکڑے ہو گیا ۔ دوسری بار عام انتخابات کرانے کی کوشش مارچ ۱۹۷۷ء میں کی گئی ۔ اس دفعہ بھی ملک کی تعمیر میں چھپے ہوئے بحران ظاہر ہوتے جن سے پامردی ، جوانمردی ، حب الوطنی کے ساتھ نمٹنے کی بجائے پہلو تہی کی گئی ۔ اب ایسا لگتا ہے یہ انتخابات اور عوامی اقتدار کے حصول کو ہی خیرباد کہنے کی کوشش کی جا رہی ہے جس کے نتیجے نہایت بھیانک ہو سکتے ہیں اور ہمارا وہی حشر ہو سکتا ہے ، جو جانشینی کے وقت مغل خاندان کا ہوتا تھا کہ نیا حکمران باپ کے ساتھ بھائیوں کے جنازے بھی نکالتا تھا ۔

انگریز حکمران کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ کوئی غیر قانونی اقدام بھی کرنا چاہتے تھے تو اس کے لئے قانون بناتے تھے اور اس پر عمل درآمد عدالتوں کے ذریعہ کرتے تھے اس سے ملک کی اعلیٰ عدالتوں کا اچھا خاصا بھرم قائم ہو گیا تھا ۔ گذشتہ تیس سال میں عدالتی نظام کا بھی ستیاناس کر دیا گیا ہے ۔ ۱۹۷۲ء کے ایک فیصلہ میں اس قسم کے چار سانحوں کی نشاندہی کی گئی ہے ۔ جن میں ملک کی اعلیٰ ترین عدالت نے حاکم وقت کا غیر قانونی ساتھ دیا یہ کیس عاصمہ جیلانی کیس کے نام سے مشہور ہے ۔ اس کے بعد بھی ایسے سانحے ہوتے رہے ہیں ۔ مثلاً گذشتہ سال دستور کے تقدس کی شرط ججوں کے حلف نامے سے حذف کر دی گئی اور نظریہ ضرورت کے تحت عدالت عظمیٰ نے جلدی انتخابات کرانے کی جو ہدایت جاری کی تھی اس میں بھی جلدی کے ضمن میں کسی بھی وقت یا مدت

امریکی مرغی اپنے اپنے چوزے کو تحفظ دینے سے معذور ہے

کا تعین نہیں کیا گیا ۔ اور اب یہ جلدی لامتناہی ہوتی جا رہی ہے ۔ اس طرح سے مقننہ کے اختیارات ایک شخص کے پاس آ گئے ہیں ۔ اور اس کے منہ سے نکلی ہوئی بات کبھی قانون بن جاتی ہے کبھی بجٹ بن جاتا ہے کبھی خارجہ پالیسی کی شکل اختیار کر لیتی ہے اس شخص کا کہنا ہے کہ چونکہ اسے کسی نے مقرر نہیں کیا اس لئے وہ کسی کے سامنے جواب دہ بھی نہیں ہے ۔ اس طرح ہماری ری پبلک کی چار ٹانگیں (اقتصادی خود انحصاری ، عوام کا اقتدار اعلیٰ ، معزز خود اعتماد عدلیہ ، ایک جمہوری مقننہ) ٹوٹ گئی ہیں صرف ایک ٹانگ باقی رہ گئی ہے جو ایک غیر ذمہ دار انتظامیہ پر مشتمل ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ملک کس قسم کے سیاسی معاشی اقتصادی بحران سے دوچار ہے ۔"

غلجی : پاکستان کے ترقی پسندوں (لفٹ گروپ) کو پیپلز پارٹی سے اتحاد کرنا چاہئے یا نہیں اگر کرنا چاہئے تو کن بنیادوں پر ؟

اسحاق : "آج ملک میں جس طرح سے تشکیل پا رہی ہے اس میں ایسا نظر آتا ہے کہ لفٹ گروپ کے لوگ چاہیں یا نہ چاہیں ان کا پیپلز پارٹی کے ساتھ باضابطہ اتحاد نہ سہی لیکن ایک بے ضابطہ اتحاد ناگزیر عمل ہو گیا ہے کیونکہ پیپلز پارٹی پر آج جو دباؤ ہے وہ اس میں شامل لفٹ عنصر کی موجودگی کی وجہ سے ہے ورنہ پیپلز پارٹی کی جو رائٹ خصوصیت ہے اس کے ساتھ سمجھوتا کرنے کے لئے ہمارے حکمران بیتاب ہیں ۔ ہماری پارٹی کے رویے میں پیپلز پارٹی کے ساتھ باضابطہ اتحاد کی کوشش تحصیل لاحاصل ہے کیونکہ پیپلز پارٹی نہ اب باضابطہ پارٹی ہے نہ پہلے کبھی تھی ۔ جب یہ حکمران تھی تو ہماری پارٹی ان کے زیر عتاب تھی لیکن اب جب وہ زیر عتاب ہے اس قسم کی پالیسیاں اختیار کرنے پر مجبور ہے جس سے محنت کش عوام اس کے قریب آئیں اور فی زمانہ یہ پالیسیاں سوشلزم کی حمایت کے علاوہ نہیں ہو سکتیں اس طرح سے جب ہم اپنی پارٹی کی پالیسیوں کو بڑھاوا دیتے ہیں تو اس سے تاثر ملتا ہے کہ ہم پیپلز پارٹی کی حمایت کر رہے ہیں ۔ لیکن اس قسم کا تاثر دوسری پارٹیوں کے بارے میں بھی پیدا ہو سکتا ہے مثلاً تحریک استقلال (اصغر خان) کے دورۂ چین کے بعد جس سمت چل رہی ہے ! اس کے نتیجے میں وہ بھی کچھ حد تک ہماری ہم سفر ہو سکتی ہے ۔ اسی طرح این ڈی پی کا بایاں بازو بھی اپنی معروف قیادت کی قلابازیوں سے بیزار نظر آتا ہے اور ممکن ہے یہ بھی وہی راستہ اختیار کرے جو ملک کی حفاظت اور قوم کی خوشحالی کی ضامن ترقی پسندی کا راستہ ہے ۔ ہم تو جہاں سے بھی جتنی بھی ترقی پسندی ملے اس کے ساتھ اشتراک کے قائل ہیں ایسا کرنے کے لئے کسی سودے بازی کی ضرورت نہیں ہے ۔"

غلجی : پڑوسی ممالک یعنی افغانستان میں زبردست تبدیلی اور ایران میں جو بحران پیدا ہوا ہے اس سے

صرف چھوٹے صوبے ہی نہیں پنجاب بھی استحصال کا شکار ہے

پاکستان اور پاکستان کی سیاست پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

اسحاق: "ان دو پڑوسی ممالک اور خود پاکستان بھارت اور برّصغیر کے دوسرے ممالک کی موجودہ کیفیت عالمی سیاست میں بہت بڑی تبدیلی کی مظہر ہے ایک نتیجہ جو اخذ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ امریکی سامراج کی مرغی اپنے چوزوں کو تحفظ دینے سے معذور ہے اس کے پر خلصے کٹ چکے ہیں۔ دوسرے محنت کشوں کے عالمی انقلابات کی لہریں ان ممالک پر حاوی فرسودہ نظاموں کو تہس نہس کر رہی ہیں مولانا روم نے فرمایا ہے ؎

ہر بنائے کہنہ کہ آباداں کنند
اول آں بنیاد را ویراں کنند

(ہر پرانی عمارت کو آباد کرنے سے پہلے اسے ڈھایا جاتا ہے۔ افغانستان میں تعمیر و تخریب کا عمل ایک ہی وقت میں وقوع پذیر ہو گیا ہے جب کہ ایران میں پرانی بنیادوں کو ہٹانے کا عمل زیادہ ظاہر ہے اور اس میں مفر تعمیر کا عمل واضح نہیں ہے ایران سے ہمارے حکمرانوں کو خاص طور پر یہ سبق سیکھنا چاہئیے کہ جب ایک مستحکم بادشاہت جس کے پاس مالی ذرائع کی کمی نہیں جس کے ریاستی تشدد کے ادارے اپنی خونخواری میں دنیا بھر میں مشہور و بدنام ہیں۔ وہ بھی عوامی ریلے کے آگے ہچکولے کھا رہی ہے تو وہ لوگ کیسے استحکام دوام کی سوچ سکتے ہیں۔ جن کی حکمرانی سروس رول کے تحت محدود ہے۔"

خلجی: اس وقت پاکستان میں امریکن پالیسی کیا ہے اور اس کے پاکستان میں کیا مفادات ہیں؟

اسحاق: "امریکی سامراج اتنا بوکھلایا ہوا ہے کہ اسے خود معلوم نہیں کہ مختلف معاملات میں اس کی کیا پالیسی ہونی چاہیئے۔ اس کی چادر اتنی چھوٹی ہو گئی ہے کہ اگر وہ سر ڈھانپتا ہے تو پیر ننگے ہوتے ہیں پیر ڈھانپتا ہے تو سر ننگا ہوتا ہے۔ ویت نام نے امریکہ کو ایسا سبق سکھایا ہے کہ امریکہ اب ایشیا کے مین لینڈ پر اپنی فوجیں اتارنے کی پالیسی ترک کر چکا ہے چنانچہ ایشیا کے مختلف علاقوں میں وہ ایسی حکومتوں کی تلاش میں ہے جن سے اپنا مقصد حاصل کرے۔ جنرل ضیاء الحق کا کہنا ہے کہ امریکہ پاکستان کو ایران اور ہندوستان سے باندھنا چاہتا ہے لیکن یہ اس کی بدقسمتی ہے کہ یہ دونوں ستون بھی لرزاں ہیں، ۱۹۷۷ء میں امریکہ اپنی مڈل ایسٹ پالیسی کے حوالے سے پاکستان کی فوج کو معطل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے یہاں پر مارشل لاء لگوا دیا تا کہ اپنی قوم کو فتح کرنے کے کام میں لگی رہے اور عربوں کی مدد کو نہ پہنچ سکے۔ لیکن انقلاب افغانستان کے بعد امریکہ کو پاکستان کے علاقے میں ایک عدد موثر فوج کی ضرورت ہے لیکن اگر پاکستان کی فوج کو موثر ہونا ہے تو اس کے لئے مارشل لاء ہٹانا ہو گا۔ بہتر ہتھیار حاصل کرنا ہوں گے۔ بہتر ہتھیاروں کی بات اٹھتی ہے، تو ہندوستان چیخنے چلانے لگتا ہے اس لئے ممکن ہے کہ امریکہ ہندوستان اور پاکستان کے مشترکہ دفاع کے منصوبے بنا رہا ہو اور ڈیورنڈ لائن کا تحفظ کرنے کے لئے ہندوستانی پلٹنیں بھی دریائے سندھ کے

پار بھیجی جائیں۔ فوج کو مارشل لاء کے بکھیڑوں سے آزاد کرنے کے لئے ایک "قومی حکومت" کی ضرورت ہے جو پیپلز پارٹی کے بغیر نہیں بن سکتی۔ چنانچہ امریکہ کے بعض بااثر حلقے پیپلز پارٹی اور مسٹر بھٹو سے مفاہمت کی ضرورت کا کھلے بندوں اظہار کر رہے ہیں۔"

خلجی: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر بھٹو نہ رہا، تو پاکستان بھی نہیں رہے گا۔ پاکستان کو موجودہ سیاسی معاشی اقتصادی بحران سے صرف بھٹو ہی نکال سکتا ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

اسحاق: فی الحال ہمارے سامنے موجودہ حکمرانوں کی ٹیم اور بھٹو کی شخصیت ہے جس کی رو سے مسٹر بھٹو اپنی صلاحیت، اہلیت، بین الاقوامی سیاست سے تجربے کے لحاظ سے منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن ان دونوں ٹیموں میں کوئی زیادہ فرق نہیں، کیونکہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے لے کر اب تک جو ٹیم برسر اقتدار ہے وہی ہے جو مسٹر بھٹو نے بہ نفس نفیس ترتیب دی تھی اور ایک آدھ کے علاوہ کسی جرنیل جج یا سیکرٹری کو نہیں بدلا گیا۔ "سول" حکومت کے نام سے جو لاحقے شامل کئے گئے ہیں۔ میں ان کو اہمیت نہیں دیتا، حقیقت یہ ہے کہ پرانی سیاست گری خوار ہے اور اس ملک کو بچانے کے لئے صرف مزدوروں، کسانوں اور دوسرے محنت کشوں، دانشوروں، متوسط طبقہ کے دوسرے حلقوں پر ہی اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ آج ان آنے والے حکمران طبقوں کی اکثریت جذباتی طور پر مسٹر بھٹو کے حق میں ہے۔ اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ صرف مسٹر بھٹو پاکستان کو بچا سکتے ہیں۔"

خلجی: قومیتوں کے بارے میں آپ کیا رائے رکھتے ہیں۔ نیز بلوچ لیڈر جس صوبائی خود مختاری کا مطالبہ کرتے ہیں کہ دفاع، کرنسی، خارجہ پالیسی کے علاوہ تمام اختیارات صوبوں کو دے دیئے جائیں۔ اس ضمن میں آپ کی کیا رائے ہے؟

اسحاق: قومیتوں کا مسئلہ پاکستان کے اہم ترین مسائل میں سے ایک ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ پاکستان کی تحریک میں بھی بعض خصوصیات قومیت کا تصور لئے ہوتے ہیں۔ چنانچہ انڈیا کی کمیونسٹ پارٹی نے پاکستان کی تحریک کو قومیتی مسئلہ سمجھ کر درست کہا تھا اور تقسیم سے پہلے مسلم لیگ کا سارا زور ہندوستان کے کمزور مرکز اور مستحکم صوبائی خود مختاری پر ہوتا تھا جب کہ کانگریس کا سارا زور مضبوط مرکز پر ہوتا تھا۔ چنانچہ مہاتما گاندھی ہندو کے ایک ہونے پر اس حد تک زور دیتے تھے کہ انہوں نے ملک کی تقسیم کو گائے کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے تشبیہ دی تھی۔ اور پھر کانگریس نے ایک کمزور مرکز قبول کرنے کی بجائے پاکستان دے دینا قبول کر لیا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد صورت حال الٹ گئی مسلم لیگ ایک مضبوط مرکز کی بات کرنے لگی۔ صوبوں کے لیڈر جو اکثر سابقہ کانگریسی تھے کمزور مرکز اور مستحکم صوبائی خود مختاری کی بات کرنے لگے۔ متحدہ

مارشل لاء کابینہ کے ۲۵ وزیروں میں سے گیارہ کا تعلق سندھ سے ہے

پاکستان میں مشرقی پاکستان کی آبادی ۵۶ فیصد تھی اور مغربی پاکستان کی آبادی ۴۴ فیصد لیکن ریاستی اقتدار کا مالک مغربی پاکستان تھا۔ مغربی پاکستان میں پنجاب کو ریاستی اقتدار کا بیشتر حصہ ملا تھا جس میں پٹھان اور مہاجر جونیئر پارٹنر تھے جب کہ کل آبادی میں پنجاب کی آبادی ۲۸ فیصد تھی۔ چنانچہ مشرقی پاکستان کے مرکز میں جمہوری بالادستی حاصل کرنے کے امکان کو روکنے کے لئے یہاں کے حکمرانوں نے طرح طرح کے ہتھکنڈے کئے ان میں سے ایک پیریٹی اور ون یونٹ تھا پیریٹی کی رُو سے مرکز میں مشرقی پاکستان کی ۵۶ فیصد اکثریت کو ۵۰ فیصد کر دیا گیا۔ اور مغربی پاکستان کے صوبوں کو مدغم کر کے ون یونٹ بنا دیا گیا۔ ۱۹۵۵ء سے لے کر ۱۹۷۰ء تک مغربی پاکستان میں چھوٹے صوبوں کے سیاستدانوں کی تمام تر جدوجہد ون یونٹ توڑنے اور صوبوں کو بحال کرنے کی سیاست کرتے رہے جن میں میں خود بھی شامل تھا۔ ۱۹۷۰ء میں مشرقی پاکستان عوامی لیگ نے مرکزی اسمبلی میں اکثریت حاصل کر لی اور اس طرح مرکز میں ایک ہی صوبے کی پارٹی نے اقتدار قائم کرنے کا جمہوری حق حاصل کر لیا۔ جس پر مغربی پاکستان کے حکمران حلقوں نے یہ خطرہ مول لینے کی بجائے خانہ جنگی کو ترجیح دی اور اس طرح بنگلہ دیش بن گیا۔ اب مغربی پاکستان کی مرکزی حکومت ایک طرح سے ون یونٹ کی حکومت ہے جس میں فی الحال ۲۵ وزیر ہیں۔ مغربی پاکستان میں آبادی کے لحاظ سے پنجاب کی حیثیت متحدہ پاکستان میں مشرقی پاکستان سے بڑھ کر ہے۔ یعنی مغربی پاکستان کی کل آبادی کا ۶۲ فیصد ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں دو سو مرکزی سیٹوں میں سے پیپلز پارٹی نے پنجاب سے ایک سو آٹھ سیٹیں لے کر ایک ہی صوبے کے ممبروں پر مشتمل مرکزی حکومت قائم کرنے کا امکان پیدا کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ چھوٹے صوبوں کے سیاستدان صوبائی خود مختاری کے لئے اتنا زور دے رہے ہیں اور ایک ایسا مرکز چاہتے ہیں جس کے اختیارات ان محکموں تک محدود ہوں جن کا تعلق کل پاکستان معاملات سے ہو اور اس مسئلے میں دوسروں کا تو کہنا کیا پیر پگاڑا صاحب بھی بہ نفسِ نفیس شامل ہو گئے ہیں، قومیتی سوال کا ایک طبقاتی پہلو ہے اور ایک بین الاقوامی طبقاتی لحاظ سے آج کے سرمایہ دار اور جاگیردار لیڈر مکمل خود مختاری نہیں چاہتے اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے سامراجی سہارا تلاش کرتے ہیں۔ چنانچہ دوسری عالمی جنگ کے بعد جن جن ملکوں نے سامراجیوں سے قومی آزادی حاصل کی ہے۔ وہاں دو قسم کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر یہ آزادی ہندوستان پاکستان، برما سیلون وغیرہ کی طرح سرمایہ دار جاگیردار پارٹیوں کی رہنمائی میں حاصل کی گئی ہے تو وہاں مکمل قومی آزادی حاصل نہیں کی گئی بلکہ نو آبادیاتی حیثیت کو جدید نو آبادیاتی حیثیت میں بدل دیا گیا ہے لیکن جہاں جہاں یہ آزادی مزدوروں، کسانوں اور دوسرے محنت کشوں کی قیادت میں حاصل کی گئی ہے۔ جیسے چین ویت نام، کمبوجیا، کیوبا، شمالی کوریا وغیرہ میں ہوا ہے

تو وہاں سامراجی بالادستی کو یکسر ختم کر دیا گیا اور مکمل قومی آزادی حاصل کی گئی ہے۔ ہمارے اپنے ملک میں اگرچہ پنجاب کو اندرونی طور پر بالادستی حاصل ہے لیکن مکمل قومی خود مختاری کے ضمن میں پنجاب بھی اتنا ہی محکوم ہے جتنے ملک کے باقی حصے بلکہ آج کل تو پنجاب سامراجی منڈی کو چاول، کپاس کھالوں کے علاوہ ہنر مند فنی ماہرین کی صورت میں سب سے زیادہ خام مال فراہم کر رہا ہے۔ یہاں چھوٹے صوبوں کے جاگیردار، سرمایہ دار سیاسی رہنما جب صوبائی خود مختاری کی بات کرتے ہیں تو حقیقت میں سامراج سے آزادی کی بات نہیں کرتے بلکہ ملک کے دیسی حکمرانوں کی لوٹ کھسوٹ میں بہتر حصہ مانگتے ہیں۔

افغانستان کے انقلاب نے قومی سوال کے مسئلے کو ایک نیا رنگ دے دیا ہے اور وہاں پشتو زبان کی بالادستی ختم کرنے کا اعلان کر دیا گیا ہے اور پنجابی زبان کو بھی ایک قومی زبان کی حیثیت دے دی ہے۔ (واضح رہے کہ پاکستانی پنجاب میں پنجابی زبان کو ابھی تک ایک قومی زبان کی حیثیت حاصل نہیں ہے)، ایک اور دلچسپ پہلو اس مسئلے کا یہ بھی ہے کہ جب افغانستان کے موجودہ حکمران پشتو اور بلوچ عوام کی خیر خواہی کی بات کرتے ہیں تو ان صوبوں کے خوانین اور سردار کانپنے لگتے ہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ جس قسم کی خیر خواہی افغانستان کے حکمران اپنے عوام کے لئے کر رہے ہیں اسی قسم کی خیر خواہی وہ یقیناً ہمارے دو صوبوں کے عوام کے لئے چاہتے ہوں گے۔ سرداروں کے ان بھائی بندوں کا اس ضمن میں ڈرنا بالکل بجا ہے ہماری پارٹی قومیتی سوال کو ایک حقیقت مانتی ہے اس کو سامراج سے آزادی اور طبقاتی استحصال سے آزادی کے مسائل کا اٹوٹ انگ سمجھتی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستان اسی وقت آزاد خوشحال مضبوط اور مستحکم ہوگا جب سامراج سے مکمل آزادی حاصل کرے گا۔ تمام قومیتوں کو سیاسی لسانی، معاشی، ثقافتی مساوات حاصل ہوگی اور کوئی فرد کسی دوسرے فرد کا استحصال نہیں کرے گا۔

خلجی: عطاء اللہ مینگل پنجاب پر الزام لگاتے ہیں کہ اس نے چھوٹے صوبوں کا استحصال کیا ہے اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

اسحاق: اس سوال کا جواب میں اس سے پہلے قومیت اور صوبائی خود مختاری والے سوال کے جواب میں دے چکا ہوں۔

خلجی: عوامی جمہوری اتحاد سے پاکستان کی سیاست پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔

اسحاق: برصغیر کے بائیں بازو کو یہ مرض لاحق رہا ہے کہ انہوں نے سیاست میں ہمیشہ لبرل سرمایہ داروں اور روشن خیال جاگیرداروں کی بیساکھیوں کا سہارا تلاش کیا ہے۔ پاکستان میں بھی بایاں بازو آزاد پاکستان پارٹی عوامی لیگ، گنٹن تنتری دل، نیشنل عوامی پارٹی، پیپلز

یہ وزراء نہیں پاکستان میں امریکہ کے قونصلر جنرل ہیں

پارٹی، این ڈی پی میں مخل و خراب ہوتا رہا ہے۔ ۱۹۶۸ء میں ہماری پارٹی نے پہلی بار بائیں بازو کی آزاد سیاست کی بنیاد رکھی اور اس کے بعد ملک میں اور بہت سی بائیں بازو کی پارٹیاں اسی طور پر سیاست کرنے لگیں، گذشتہ تیرہ چودہ سال سے بایاں بازو دنیا بھر میں تقسیم تفریق اور انتشار کا شکار رہا جب کہ پاکستان میں بھی یہی عمل جاری رہا۔ لیکن حالات نے بہت حد تک پلٹا کھایا ہے اور بائیں بازو میں بھی اتحاد کی لہر اُمنڈ رہی ہے۔ بدقسمتی سے بائیں بازو کے لیڈروں نے خود کو چھوٹے پیمانے کی مائیکرو (micro) سوچ سے آزاد نہیں کیا اور وہ چیزوں کو ان کی ہمہ گیر وسعت کے حوالے سے دیکھنے کے ابھی عادی نہیں ہوتے۔ مثلاً لاہور میں گیارہ پارٹیوں نے پروگرام اور دستور پر اتحاد کر لیا لیکن لیڈر صاحبان الیکشن کے مسئلے پر لڑ پڑے بہر حال ہم پُر امید ہیں کہ یہاں کا بایاں بازو عمل میں متحد ہو کر دوسرے ملکوں کی طرح اپنا تاریخی رول ادا کرے گا۔

خلجی: موجودہ غیر منتخبہ سول کابینہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

اسحاق: اس سول کابینہ کے کئی مضحکہ خیز پہلو ہیں۔ مثلاً جماعت اسلامی جس کی مرکزی اسمبلی میں تین سیٹیں تھیں اس کے سول کابینہ میں چار ظاہر اور کئی خفیہ وزیر ہیں جب کہ اس بار ۲۵ وزیروں میں سے گیارہ وزیر صوبہ سندھ سے لئے گئے ہیں یعنی محمود ہارون، مصطفےٰ گوکل، سیٹھ حبیب ڈی حبیب محمود اعظم فاروقی، مسٹر غفور احمد، اے کے بروہی علی احمد تالپور، محمد خان جونیجو، صبح صادق کھوسو، پروفیسر خورشید احمد اور اٹارنی جنرل شریف الدین پیرزادہ ا ان میں سے متعدد وزرا کے مفادات پاکستان کی نسبت بیرونِ پاکستان زیادہ وابستہ ہیں مثلاً محمود ہارون کے بھائی یوسف ہارون امریکی شہری اور پان امریکن ایئرویز کے نائب صدر ہیں۔ گوکل کے مفادات سمندر پر تیر رہے ہیں۔ سیٹھ حبیب غیر ممالک میں بینکاری کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ ان کا دارالخلافہ سوئٹزرلینڈ ہے۔ فاروقی صاحب ایک بہت بڑی غیر ملکی ملٹی نیشنل آئی سی آئی کے چیف اکاؤنٹنٹ ہیں جب کہ مسٹر غفور احمد اور پروفیسر خورشید انفرادی طور پر اور اپنی پارٹی کے حوالے سے سامراج اور گماشتہ سامراجی مفادات کے نگہبان ہیں۔ ان سب کو تو پاکستان میں امریکہ کا قونصلر جنرل ہونا چاہیئے تھا لیکن یہ سب وزیر ہیں۔ اور سندھ کے کوٹہ میں سے ہیں۔

خلجی: ری پروسیسنگ ایٹمی پلانٹ کے معاہدہ نے ہمارے ملک کی سیاست میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ سابق منتخب حکومت اسی معاہدہ کا شکار ہوئی۔ اب امریکہ کے دباؤ کے تحت فرانس نے یہ معاہدہ منسوخ کر دیا ہے۔ اس کے بارے میں آپ کیا رائے رکھتے ہیں؟

اسحاق: دنیا میں صنعتی ایندھن کا مسئلہ بڑی اہمیت کا حامل ہے آئندہ چند برسوں میں یہ مسئلہ بڑی تشویشناک صورت اختیار کر جائے گا چنانچہ ایٹمی ایندھن کو مستقبل میں فیصلہ کن اہمیت حاصل ہو گی اور جس ملک کے پاس اس کی ٹیکنالوجی ہو گی وہ اس کے مُنہ مانگے دام وصول کرے گا۔ جیسا کہ اوپیک کے

جماعت اسلامی کا

"اسلامی نظام"

کلیسا کے پوپ

شاہی کا چربہ ہے

ممالک نے تیل کے معاملے میں کیا ہے۔ اس مسئلے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ امریکہ اور سامراجی ممالک دنیا پر اپنی معاشی بالادستی قائم رکھنے کے لئے ایڈوانس ٹیکنالوجی کا سہارا لے رہے ہیں۔ اس میں ایٹمی انرجی کی اجارہ داری کلیدی درجہ رکھتی ہے چنانچہ آج سامراجی ممالک میں اس ٹیکنالوجی کے معاملے میں زبردست تجارتی جنگ جاری ہے۔ امریکہ خاص طور پر اس بات کا سخت مخالف ہے کہ یہ ایٹمی ہنر تیسری دنیا کے ممالک کے ہاتھ میں آجائے۔ چنانچہ وہ ہر سودے میں ٹانگ اڑاتا ہے جس میں یورپ کے سامراجی ممالک تیسری دنیا سے اس قسم کے پلانٹ کے سودے کر رہے ہیں۔ پاکستان کے ساتھ اس سودے میں امریکی حکومت نے فرانس کی حکومت پر زبردست دباؤ ڈالا اور بقول مسٹر بھٹو امریکہ نے اس معاہدہ کی بنا پر نہ صرف ان کی منتخبہ حکومت کا تختہ اُلٹا بلکہ فرانس کی موجودہ حکومت کو بھی مشکلات میں ڈالنے کی دھمکی دی۔

خلجی: پاکستان میں جس اسلامی نظام کو نافذ کیا جا رہا ہے اس کے بارے میں آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟

اسحاق: جس قسم کا اسلامی نظام جماعت اسلامی پاکستان میں لانا چاہتی ہے اس کا نمونہ گذشتہ تاریخ اسلام میں کہیں نہیں ملتا بلکہ یہ یورپ کے تاریک دور کی کلیسائی پوپ شاہی کا چربہ ہے۔ جماعت اسلامی جس قسم کا ذہن پیدا کرتی ہے اس میں آج کی وسیع و عریض پیچ در پیچ دنیا کی تیزی سے ارتقا کرتی ہوئی ہیئت کذائی کا ادراک ناممکن ہے اور یہ ہمارے ملک کی بڑی بدقسمتی ہے کہ ہمارے معاملات ان لال بھکڑوں کے ہاتھ میں آگئے جو سائنس کو گناہ سمجھتے ہیں۔ سوچنے کو الحاد کا نام دیتے ہیں۔ اور آج کے انسان کے ذہنی، روحانی اور ثقافتی آدرشوں سے قطعی بے بہرہ ہیں۔ لینن نے کہا ہے کہ اٹھارھویں صدی میں یورپ کے تقریباً تمام ممالک کے ملکی دستوروں میں یہ شق شامل تھی کہ سائنسی تحقیق اور تفتیش پر کسی قسم کی مذہبی تعزیر نہیں ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ نے بے تحاشہ صنعتی و سائنسی ترقی کی۔ اگر ہماری قوم نے سامراجی غلامی کی زنجیریں توڑنی ہیں پاکستان کے عوام کو روٹی کپڑا اور مکان، علاج، تعلیم، روزگار اور خوف و غم سے آزاد زندگی مہیا کرنی ہے تو ہم کو بھی اس کلیسائی پوپ شاہی کی جگہ ایک روشن ضمیر غیر کلیسائی عوامی جمہوریت کا نظام قائم کرنا ہو گا۔ بہر حال سب سے زیادہ مضحکہ خیز پہلو یہ ہے کہ بھٹو کو انتخابی دھاندلیوں کا بہانہ بنا کر علیحدہ کیا گیا اور اسلام کے یہ متولی خود بغیر انتخاب کے حکومت میں بیٹھ گئے ہیں۔

خلجی: پاکستان مسلم لیگ کے صدر جناب پیر

روم جل رہا ہے اور نیرو بنسری بجا رہا ہے

- تب تے جو حال میں پریس کانفرنس کی ہے
- س پر تبصرہ کریں گے؟

سحاق: پیر صاحب کی پریس کانفرنس کے بارے میں صرف اتنا کہوں گا کہ میرے نزدیک ان کی یہ پریس کانفرنس سندھ کے نئے موڈ کا نتیجہ ہے۔ کہ پیر صاحب بھی چھوٹے صوبوں کی بات کرنے لگے ہیں۔ اور سندھ کی سیاست میں اپنا وجود برقرار رکھنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

خلجی: آپ تقریباً تین ہفتوں سے سندھ کا دورہ کر رہے ہیں۔ سندھ کی سیاست کو آپ نے کیسا پایا؟

اسحاق: سندھ کے بارے میں اتنا متاثر ہوا ہوں کہ فی الحال میرے لئے صحیح نتائج اخذ کرنا ممکن نہیں اس میں کچھ وقت لگے گا۔ چند خاص خاص باتیں بتاتا ہوں کراچی میں چلنے والی صحافیوں اور پریس ورکروں کی تحریک نے مجھ پر بڑا خوشگوار اثر چھوڑا ہے اس تحریک کا ایک خاص پہلو یہ تھا کہ سندھی ہاریوں، سندھی مزدوروں نے بھی کراچی جا کر صحافیوں کے حق میں گرفتاریاں دیں جو کہ زیادہ تر اردو پریس سے منسلک ہیں۔ جیل میں ان سب نے مل کر جو دن گزارے ہیں، اس سے بھی ان میں طبقاتی برادری اور بھائی چارے کا احساس گہرا ہوا ہے۔ دوسری خاص بات جس نے مجھے متاثر کیا وہ الائیڈ ٹیکسٹائل مل لاڑکانہ کے مزدوروں کی عظیم جدوجہد ہے۔ اب تک پانچ سو سے زائد مزدور گرفتاریاں دے چکے ہیں لیکن ان کا جذبہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔ ان مزدوروں میں سے ۹ نے صحافیوں کی تحریک کے لئے بھی گرفتاریاں دیں جن میں سے ایک مزدور محمد علی مگسی تشدد کے بعد شہید بھی ہو گیا۔ اس تحریک کا اہم پہلو یہ ہے کہ لاڑکانہ کے ارد گرد کے کسان پولیس کے خوفناک تشدد کے باوجود مزدوروں کا پورا پورا ساتھ دے رہے ہیں۔ جب کہ مقامی زمیندار جاگیردار مزدوروں کی بھرپور مخالفت کر رہے ہیں۔ اس دورے میں میں نے مزدوروں کے اجتماع بھی دیکھے ہیں۔ جن میں سے ایک نہایت اہم اجتماع ۲۴ اکتوبر کو روہڑی سیمنٹ فیکٹری میں ہوا۔ یہ ایک آل پاکستان مزدور کانفرنس تھی جس میں واہ سے لے کر کیماڑی تک کے چار سو مندوبین نے شرکت کی۔ اس میں لاڑکانہ کے مزدوری کی تاریخی جدوجہد کی بھرپور حمایت کی گئی۔ اس کانفرنس کا ایک اجاگر نعرہ یہ تھا کہ "کون بچائے گا پاکستان، مزدور طلبہ اور کسان"۔ موجودہ تاریکی میں یہ کانفرنس ایک روشن ستارہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ سندھ میں ایک زبردست سیاسی ہیجان پرورش پا رہا ہے اور لوگوں کا رویہ فرج اور دوسرے ریاستی اداروں کی طرف اس قسم کا بن رہا ہے گویا یہ غیر ملکی ہوں۔ دوسری طرف پنجاب کے عوام کے لئے گہری اخوت پیدا ہوتی ہے۔ چار آدمیوں نے خود کو جلا کر جان دے دی ہے۔ اس طریقہ کار سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن جذبے کے تقدس کے لئے تعظیم سے سر جھک جاتے ہیں اور آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں۔ اس وقت سارے سندھ میں یونیورسٹیاں اور کالج بند ہیں اور اس اندھیری سرنگ کے اگلے سرے کی روشنی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ علاوہ ازیں سندھ میں بھی لوگ مہنگائی، بے روزگاری، رشوت کے ہاتھوں تنگ ہیں جس طرح باقی ملک کے عوام حکمرانوں کے مابین بداعتمادی CREDIBILITY GAP بڑھ رہی ہے۔ بس میں تو یہی کہوں گا کہ

"روم جل رہا ہے اور نیرو بنسری بجا رہا ہے۔"

سیالکوٹ — محمد اقبال

مزدوروں کو سوشل سیکورٹی کارڈ نہیں دیئے گئے

گذشتہ دنوں پاپولر انڈسٹریز لیبر یونین کا اجلاس جناب اللہ رکھا کی صدارت میں منعقد ہوا اجلاس سے پاپولر لیبر یونین کے جنرل سیکریٹری جناب ملنگ شاہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا سیالکوٹ کے صنعت کار محکمہ محنت کے حکام سے گٹھ جوڑ کر کے محنت کشوں کا لہو چوس رہے ہیں کسی بھی فیکٹری میں فیئر پرائس شاپ نہیں کھولی گئی۔ مزدوروں کی اجرتیں بہت کم ہیں۔ مہنگائی کے اس دور میں اشیائے ضروریات تک خرید نا محال بن گیا ہے۔ بعض فیکٹریوں میں محنت کشوں کو سوشل سیکیورٹی کارڈ بنوا کر ابھی تک نہیں دیئے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے مزدور علاج جیسی بنیادی سہولت سے بھی محروم ہیں

جناب ملنگ شاہ نے کہا کہ جس فیکٹری میں ہم کام کرتے ہیں۔ وہ بیسوی صدی کا نہیں قرون اولیٰ کا منظر پیش کرتی ہے، ملکی قوانین کے تحت مزدوروں کو جو سہولتیں ملنی چاہئیں وہ نہیں دی جاتیں صفائی کا انتظام بہت ناقص ہے۔ ہر کھاتے میں اتنی گندگی ہوتی ہے کہ اس سے زیادہ جیل کی بیرک صاف ستھری ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مزدوروں کے بچوں کی تعلیم اور صحت کے بارے میں کیا کہوں کیونکہ موجودہ لوٹ کھسوٹ اور استحصالی نظام میں تو غریبوں کے پیدا ہی اس لئے ہوتے ہیں کہ وہ استحصالی عناصر سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی خدمت کریں یہی وجہ ہے کہ ہماری نوجوان نسل اور بچوں کا مستقبل تاریک بنا دیا گیا ہے۔ ایسی صورت حال میں محنت کشوں کا فرض ہے کہ وہ طبقاتی سطح پر خود کو منظم اور متحد کر کے ایک تنظیم بنائیں اور جدوجہد کر کے ملک میں مزدور کسان راج قائم کریں، کیونکہ مزدور کسان راج ہی ملک کی سلامتی اور عوام کی فلاح و بہبود اور خوشحالی کا ضامن ہے۔

ورکرز آرگنائزنگ کمیٹی پاکستان کی قومی ورکرز کانفرنس

نمائندہ خصوصی

فوجی حکمران کرسیٔ اقتدار پر مستقل قبضہ جمانے کی کوشش کر رہے ہیں

پولیس نے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی، پوسٹر پھاڑ ڈالے

ورکرز آرگنائزنگ کمیٹی پاکستان کی پہلی قومی ورکرز کانفرنس ۲۰ اکتوبر کو لانڈھی میں منعقد ہوئی۔ جس میں کراچی، حیدر آباد، گھارو، میر پور خاص، ڈیرہ غازی خان، مظفر گڑھ، ملتان، لاہور اور دیگر علاقوں سے آئے ہوئے مندوبین نے بھاری تعداد میں شرکت کی۔ مزدور کارکنوں کے علاوہ طلباء، صحافیوں، خواتین اور زندگی سے متعلق دیگر شعبوں کے لوگوں نے شرکت کی۔ اس کانفرنس کے لئے انتظامیہ نے شہر میں اجازت دینے سے انکار کر دیا تو کانفرنس کے منتظمین نے مانسہرہ کالونی میں انعقاد کا فیصلہ کیا تو پولیس حرکت میں آگئی اور کانفرنس کے مقام کی طرف جانیوالے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی۔ جائے وقوعہ پر بھاری تعداد میں پولیس بٹھا دی۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ٹریڈ یونین کی آزادی بقول مارشل لاء بحال ہے حالیہ مہینوں میں این ایل ایف اور اس قسم کی دیگر تنظیموں کو نہ صرف کانفرنس بلانے کی آزادی دی گئی تھی بلکہ سرکاری طور پر ان کی بھرپور سرپرستی کی گئی۔ مگر ڈاک کی کانفرنس کو روکنے کے لئے پورے علاقے کی پولیس حرکت میں آگئی۔ کانفرنس کے انعقاد سے متعلق پوسٹر پھاڑ دیئے گئے اور مختلف یونینوں کے عہدیداروں کو تھانوں میں بلا کر دھمکیاں دی گئیں۔ کالونی میں لوگوں کو دہشت زدہ کیا گیا۔ ورکرز آرگنائزنگ کمیٹی سندھ کے جنرل سکریٹری جناب محمد جعفر کے گھر پر چھاپے مارے گئے غرض ہر طرح سے کانفرنس کو ناکام بنانے کی کوشش کی گئی۔ مگر اسے ایسا آرزو کہ خاک شدہ! کانفرنس پوری شان سے منعقد ہوئی اور کارکنوں نے کانفرنس کی جگہ لانڈھی کالونی میں تبدیل کر دی۔ ٹھیک وقت پر کانفرنس شروع ہوئی مگر جگہ کی تبدیلی کی وجہ سے بہت سے مزدور اور دیگر افراد کانفرنس میں نہ پہنچ سکے لیکن اس کے باوجود کانفرنس بہت کامیاب رہی۔ دوسری طرف مانسہرہ کالونی کا پولیس نے گھیراؤ کئے رکھا اور کانفرنس میں آنیوالے لوگوں کا پیچھا کرتی رہی اس طرح کافی تعداد میں لوگ کانفرنس کی جگہ نہ پہنچ سکے۔

کانفرنس کی کارروائی دو حصوں پر مشتمل تھی۔ پہلے منتخب علاقوں کی رپورٹیں پیش کی گئیں اور دوسرے اجلاس میں مختلف مزدور رہنماؤں، طالب علم اور خواتین رہنماؤں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ رپورٹوں میں تنظیمی صورتحال، مزدور تحریک کے مسائل پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی۔ رپورٹوں کی روشنی میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مختلف علاقوں میں ورکرز آرگنائزنگ کمیٹی کی تنظیم تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے اور جلد ہی ملک گیر بنیاد پر مزدوروں کی مضبوط ترین اور نمائندہ تنظیم کی حیثیت سے منظم ہو جائے گی۔ مختلف علاقوں کی رپورٹوں کے علاوہ سلک، ٹوبیکو، ریلوے اور دیگر صنعتوں کی صورت حال اور محنت کشوں کے مسائل پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی۔ سلک انڈسٹریز کے مزدوروں کے حالات انتہائی خراب ہیں۔ پچھلے کئی سالوں سے یہ صنعت مسلسل بحران کا شکار ہے، مالکان نے اجرتوں در ریٹ میں کمی کر دی۔ کئی کارخانے بند ہیں۔ جبکہ بیشتر جگہوں پر اب بھی ۱۲ گھنٹے ڈیوٹی لی جاتی ہے۔ ان مزدوروں کو نہ تو مہنگائی الاؤنس ملتا ہے اور نہ ہی دیگر سہولتیں جس میں سوشل سیکیورٹی جیسی اہم سہولت بھی شامل ہے ٹیکسٹائل کی صنعت کے حالات بھی بہت خراب ہیں صرف کراچی میں ۴۰ فیصد کارخانے یا تو بالکل بند ہیں یا جزوی طور پر کام کر رہے ہیں۔ صرف اس سال لانڈھی کے مختلف کارخانوں کے تقریباً ۶۰۰۰ مزدوروں کو زبردستی حساب دے دیا گیا ہے۔ قومیائی گئی صنعتوں میں بھی حالیہ مہینوں میں کارکنوں کی بڑے پیمانے پر چھانٹی کی گئی ہے۔ اس طرح آج چھانٹیوں اور بیروزگاری کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کر گیا ہے چھانٹی کے بعد دوسرا اہم ترین مسئلہ ٹریڈ یونین کی آزادی کا مسئلہ ہے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد حق ہڑتال پر مکمل پابندی لگا دی گئی اور تمام تر اعلانات کے باوجود حقیقی نمائندہ تنظیموں

مزدوروں کے حقیقی نمائندوں کو گرفتار اور جعلی نمائندوں کی سرپرستی کی جارہی ہے

کو کمینے اور سرکاری تنظیموں کی سرپرستی کی جارہی ہے کئی مزدور کارکن اب تک جیلوں میں بند ہیں۔ ان تمام حالات کی روشنی میں مقررین نے اس بات پر زور دیا کہ آج مزدور اتحاد کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہے اور تنظیم کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ ہر محاذ اور ہر مسئلہ پر بھرپور جدوجہد کی جائے۔

دوسرے اجلاس میں مقررین نے مختلف قومی، سیاسی مسائل پر اور مزدور تحریک کی تعیتن سمت پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ملتان کاٹن انڈسٹریز کے عنایت نے کہا کہ موجودہ حکومت کے دور میں مزدوروں پر تشدد بڑھتا جارہا ہے۔ کالونی ٹیکسٹائل ملز کے مزدوروں پر فائرنگ اس سازش کی ایک کڑی تھی۔ جس کا مقصد محنت کشوں کی قوت کو کچل کر سرمایہ داروں کے لئے سازگار حالات پیدا کرنے تھے۔ لیکن مزدوروں کے بڑھتے ہوئے شعور نے اس سازش کو ناکام بنادیا ہے اور آئندہ اس قسم کی کارروائیوں کی بھرپور مزاحمت کی جائے گی۔ ورکرز آرگنائزنگ کمیٹی سندھ کے صدر مرتضیٰ نے اپنی تقریر میں مزدور قوانین کا ذکر کیا۔ جس کے ذریعہ مزدوروں کے حقوق کو سلب کیا جارہا ہے اور سرمایہ داروں کو استحصال کی کھلی آزادی دی جارہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان تمام قوانین کے باوجود ہم اپنی جدوجہد کو آگے بڑھائیں گے اور اپنے حقوق حاصل کرکے رہیں گے۔ خواتین محاذ کی آرگنائزر لالہ رخ حسنین نے بھی صحافیوں کی حالیہ تحریک پر روشنی ڈالی اور کہا کہ اس تحریک نے ملک میں جمہوری جدوجہد کو ایک نئی جلا بخشی ہے۔ مزدور کسان طلبہ اور صحافیوں نے جس اتحاد کا عملی ثبوت پیش کیا ہے وہ قابل تحسین ہے۔ خصوصاً کسانوں نے جس طرح سے اس میں بھرپور شرکت کی ہے وہ اس بات کا اظہار ہے کہ موجودہ استحصالی نظام کے خلاف کسان جو اس ملک کی آبادی کا ۸۰ فیصد حصہ ہیں اپنا بھرپور تاریخی کردار ادا کرنے کے لئے تیار ہیں، مزدور کسان اور دانشوروں کا یہ اتحاد جدوجہد کے ساتھ ساتھ مزید آگے بڑھے گا۔ انہوں نے کہا کہ آج جبکہ محنت کش عوام بیدار ہو رہے ہیں تو اس بات کی ضرورت ہے کہ آبادی کا ۵۰ فیصد حصہ جو کہ خواتین پر مشتمل ہے کو بھی منظم کیا جائے۔ کیونکہ آبادی کے ۵۰ فیصد حصہ کی شرکت کے بغیر کوئی بھی جدوجہد کامیاب نہیں ہوسکتی۔

طلبار کی نمائندگی کرتے ہوئے این ایس ایف کے پاکستان کے صدر حبیب اللہ شاکر نے موجودہ حالات میں محنت کشوں اور طلبہ کے اتحاد کی اہمیت پر زور دیا اور کہا کہ آج صرف محنت کش ہی حقیقی معنوں میں جمہوریت کی جدوجہد کو کامیابی تک پہنچا سکتے ہیں، سرمایہ دارانہ جاگیردارانہ، سیاسی جماعتوں نے ہمیشہ عوام کو دھوکا دیا اور عوام کی مجاہدانہ جدوجہد کو اپنے مکروہ مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کیا ہے۔ اس لئے آج ضروری ہے کہ محنت کش طبقات استحصالی طبقات کا دم چھلا بننے کی بجائے تحریک کی قیادت خود سنبھالیں۔

ڈاکٹر سندھ کے زاہد حسین نے موجودہ سیاسی صورت حال اور محنت کشوں کے فرائض پر روشنی ڈالی انہوں نے کہا کہ موجودہ حکومت جو کہ اس دعوے کے ساتھ برسر اقتدار آئی تھی کہ انتخابات کروانے کے بعد اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو سونپ دے گی مگر وہ آہستہ آہستہ اقتدار پر اپنا مستقل قبضہ جمانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ وہ کسی صورت میں اقتدار سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔ آمریت کو مضبوط کرنے کے لئے آئین میں ترامیم کی جارہی ہیں۔ سیاسی پارٹی ایکٹ بھی اسی کی ایک کڑی ہے۔ یہ تو ترمیم سیاسی جماعتوں کے لئے پھندا اور اس کا اطلاق ہر اس پارٹی پر کیا جائے گا جو کسی صورت میں اس حکومت کی مخالفت کرے گی۔ اس صورت حال میں جبکہ آمرانہ اداروں کو مستحکم کیا جارہا ہے آزادئ اظہار اور خیال کی آزادی کو پوری طرح کچلا جا رہا ہے۔ تو ضروری ہے کہ تمام جمہوری قوتیں متحد ہو کر فاشی کارروائیوں کی مزاحمت کریں اور جمہوریت کے قیام کے لئے جدوجہد تیز کریں۔ انہوں نے کہا کہ ہم ان تمام عناصر کے خلاف اتحاد کے لئے تیار ہیں جو کہ آج آمریت کے خلاف عملی جدوجہد کے لئے تیار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ترقی پسند قوتوں کا اتحاد آج وقت کی اہم ترین ضرورت ہے لیکن یہ اتحاد کاغذی اتحاد نہیں ہونا چاہیئے

آخر میں صدر جلسہ اور ورکرز آرگنائزنگ کمیٹی پاکستان کے صدر محمود نواز بابر نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جن حالات میں ہماری یہ کانفرنس منعقد ہو رہی ہے باوجود پولیس کی دہشت گردی کے اتنی بڑی تعداد میں کارکن یہاں پر اکھٹے ہوئے ہیں وہ ہماری تنظیم کی قوت اور منظم ہونے کا اظہار ہے۔ ہم نے ماضی میں بھی اسی قسم کی کارروائیوں کا مقابلہ کیا ہے اور آئندہ بھی اس قسم کے ہتھکنڈوں کا مقابلہ کریں گے۔ محمود نواز بابر نے سیاسی صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ قومیتوں کے مسئلہ کو ہمیشہ دبانے کی کوشش کی گئی ہے اور آج بھی رجعت پسند قومیتوں کے حقوق کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ جب بھی چھوٹی قومیتوں کے حقوق کی بات کی جاتی ہے۔ تو فوراً ملک کو خطرہ ہے کا نعرہ لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ قومیتوں کے مسئلہ پر ہمارا مؤقف بہت واضح ہے کہ کوئی بھی جمہوری تحریک قومیتوں کے حقوق کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتی۔ محمود نواز بابر نے کہا کہ تمام قومیتوں کے محنت کش عوام کو متحد ہو کر استحصالی قوتوں کے خلاف لڑائی تیز کرنا چاہیئے انہوں نے ان لوگوں پر بھی کڑی تنقید کی جو کہ قومیتوں کا نعرہ صرف اپنے مقاصد کی تکمیل اور سودے بازی کے لئے لگاتے ہیں اور اقتدار مل جانے پر قومیتوں کے حقوق پر سودا کرنے سے گریز نہیں کرتے انہوں نے کہا کہ یہ کانفرنس مزدور تحریک میں ایک سنگِ میل ہے۔ اس کانفرنس کے بعد ہم اسی جوش و خروش کے ساتھ محنت کش عوام کی آزادی کے لئے جدوجہد جاری رکھیں گے۔

کانفرنس میں متعدد قراردادیں منظور کی گئیں جن میں مطالبہ کیا گیا کہ:۔

تمام جمہوریت دشمن مزدور قوانین کو منسوخ کیا جائے۔

محنت کشوں کو یونین سازی، اجتماعی سودے کاری اور حق ہڑتال کے حقوق کو غیر مشروط طور پر تسلیم کیا جائے۔

یونین سازی، اجتماعی سودے کاری اور ہڑتال کے سلسلہ میں نکالے ہوئے تمام مزدوروں کو ملازمت پر بحال کیا جائے۔ تمام گرفتار شدہ مزدور کارکنوں کو فی الفور رہا کیا جائے۔

لالہ رُخ حسین

کسی بھی ملازادارے یا فیکٹری میں جہاں پانچ یا اس سے زیادہ ملازم کام کرتے ہوں اس پر سٹینڈنگ آرڈر کا اطلاق کیا جائے۔

یونین کے اندرونی اور تمام معاملات میں پولیس لیبر ڈیپارٹمنٹ اور سرکاری مداخلت ختم کی جائے

مزدور بستیوں میں شہری سہولتیں، سڑکیں، پانی بجلی، صحت وصفائی، اسپتال زچہ خانے، درسگاہیں اور کھیلوں کے میدان مہیا کئے جائیں۔

مزید لیبر کورٹ قائم کئے جائیں اور مزدوروں کے مقدمات کا فیصلہ لازمی طور پر زیادہ سے زیادہ تین مہینے کے اندر کیا جائے۔

ان تمام افراد کو فوراً رہا کیا جائے جن کو آزادی
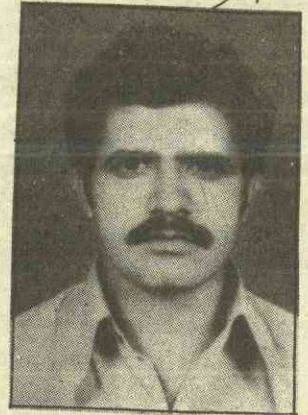
محمد جعفر

صحافت سے وابستگی کے سلسلے میں گرفتار کیا گیا تھا اور نیشنل پریس ٹرسٹ سے نکالے ہوئے تمام ملازمین کو ملازمتوں پر بحال کیا جائے۔

حالیہ سنسر شپ کے اقدامات فوری طور پر منسوخ کئے جائیں۔ پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈیننس کو فوراً منسوخ کیا جائے۔ اور آزادیٔ صحافت و نیز آزادیٔ اظہار کی مکمل اور غیر مشروط آزادی کی ضمانت دیجائے

ملک سے فوری طور پر مارشل لاء ہٹایا جائے،

تمام گرفتار شدہ سیاسی، مزدور، طالبعلم اور ہاری کارکنوں کو فوری اور غیر مشروط طور پر رہا کیا جائے

تمام سیاہ قوانین منسوخ کئے جائیں، تمام بنیادی جمہوری آزادی عوام کو دی جائے۔ تمام کالے قوانین ختم کئے جائیں۔ تمام محنت کشوں کو بلا تفریق اور غیر مشروط تنظیم سازی اور اجتماعی سودے کاری کا حق دیا جائے۔

تمام شہری آزادیاں تسلیم کی جائیں اور تمام سیاسی پابندیاں ہٹائی جائیں۔ نیز پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ منسوخ کیا جائے۔ یہ اجلاس ملک بھر کے محنت کشوں، جمہوریت پسند عوام، باشعور اور عوام دوست عناصر سے اپیل کرتا ہے کہ وہ عوام کے بنیادی حقوق کے حصول کے لئے منظم ہو جائیں اور جدوجہد تیز تر کر دیں۔

تمام قومیتوں کے عوام کا استحصال ختم کیا جائے ان کے سماجی حقوق تسلیم کئے جائیں تمام قومیتوں کے عوام کے سماجی، سیاسی، معاشی اور ثقافتی آزادیوں کا تحفظ کیا جائے۔ اس اجلاس کی رائے میں اگر قومیتوں کے مساوی حقوق تسلیم نہیں کئے جائیں تو صورت حال ناقابل اصلاح حد تک خراب ہو جائے گی

بے دخلیاں ختم کی جائیں، ہاریوں، کسانوں اور محنت کش دیہی عوام کے عزت و وقار کے تحفظ کی ضمانت دی جائے اور ان کے دیگر مسائل حل کئے جائیں۔

یہ اجلاس اپنے دیہاتی محنت کش بھائیوں کو اپنی مکمل حمایت کا یقین دلاتا ہے اور ان کی جدوجہد کو اپنی جدوجہد تصور کرتا ہے اور ہر ممکن طریقہ سے ان کی مدد و حمایت کا اعلان کرتا ہے۔

سندھ یونیورسٹی لیاقت میڈیکل کالج اور سندھ کے دیگر تعلیمی اداروں کو فوراً کھولا جائے۔ نوابشاہ میں طالبہ کے ساتھ گھناؤنے فعل کے خلاف احتجاج کرنے والے جن طلبہ کو گرفتار کیا گیا ہے انہیں رہا کیا جائے اور این ایس ایف پاکستان کے مرکزی جنرل سکریٹری مومن خان اور وقاص بٹ کو رہا کیا جائے۔

یہ اجلاس لاڑکانہ کے مزدوروں کی جدوجہد کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اس سلسلہ میں پولیس تشدد گرفتاریوں اور دہشت زدہ کرنے کی حکومتی پالیسی کی پرزور مذمت کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ تمام گرفتار شدہ مزدور کو رہا کیا جائے۔ نیز لاڑکانہ کے مزدوروں کے مطالبات تسلیم کئے جائیں۔

یہ اجلاس واک لاہور کے رہنما اور پاکستان ریلوے ورکرز فرنٹ کے جنرل سکریٹری محمد اقبال اعوان کی غیر قانونی برطرفی کی پرزور مذمت کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ موٹر ڈرائیور کمیٹی ملحقہ پاکستان ریلوے ورکرز فرنٹ کے صدر رحمت اللہ اور محمد اقبال اعوان کو بحال کیا جائے انتقامی طور پر جاری کئے گئے شوکاز نوٹس واپس لئے جائیں اور ریلوے کے بدعنوان افسران کے خلاف کھلی عدالت میں تحقیقات کرائی جائے۔

جماعتِ اسلامی کی
"قینچی مار" پالیسی نے اسٹوڈیو کو ویران کر دیا

شبیہ الحسن

ہماری بیمار قومی سیاست کا سایہ بالآخر فلمی صنعت پر بھی پڑا. گو اس کی عمر ۳۰ سال سے زیادہ نہیں، مگر کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اس صنعت نے اپنی طبعی عمر کو پہنچ کر اپنے پاؤں قبر میں لٹکا دیئے ہیں. کسی بھی صنعت کے تیس سال زیادہ نہیں ہوتے بلکہ بعض صنعتیں تو اس مدت میں قدم جماتی ہیں. ہاتھ پاؤں نکالتی ہیں اور جوانی کی بہاریں دکھاتی ہیں. بھارت کے مقابلہ میں ہماری فلمی صنعت کی عمر گو بہت کم ہے مگر کچھ مخلص فنکاروں کے شب و روز کی محنت، لگن اور فن سے محبت نے اس ننھے منے پودے کو بڑی مختصر مدت میں سرسبز و شاداب بنا دیا. سالانہ فلموں کی تیاری میں بھی معتد بہ اضافہ ہوا. فنکاروں کو اچھے معاوضے بھی ملنے لگے. لاہور میں متعدد نئے اسٹوڈیو کی تعمیر سے اس پیشے سے وابستہ ہزاروں افراد کے لئے روزگار کا وسیلہ پیدا ہوا.

یہ پاکستان کے فنکاروں، ہدایت کاروں، پروڈیوسروں ٹیکنیشن اور دیگر افراد کی مسلسل محنت، قربانیوں اور ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا نتیجہ ہے کہ مختصر مدت میں فلموں کی تیاری کے اعتبار سے پاکستان کا شمار دنیا کی دس بڑی فلمی صنعتوں میں کیا جانے لگا. ۱۹۷۴ء میں ایک سال کے دوران ۱۲۵ فلمیں تیار ہوئیں جبکہ سالِ گزشتہ صرف ۴۷ فلمیں تیار ہوئیں.

فلمی صنعت میں یہ جمود یا بحران دراصل گزشتہ سال سے غیر یقینی صورتحال اور فنکاروں اور سرمایہ کاروں میں عدم تحفظ کے احساس سے پیدا ہوا. مارچ ۱۹۷۷ء کی تحریک میں مذہب کا نام جس جذباتی انداز میں استعمال کیا گیا اس کے نتیجے میں طلبگاروں نے بلا سوچے سمجھے متعدد سینما گھروں کو تختۂ مشق بنایا. کراچی، لاہور اور ملتان کے کئی سینما ہاؤسوں پر پتھراؤ کیا گیا. فرنیچر تباہ کیا گیا اور

ملائیت کی روشن کی ہوئی چنگاریوں سے سینما گھروں کے در و دیوار پر چراغاں کیا گیا. جماعت اسلامی کی لٹھ بند فورس سڑکوں پر یہی نعرہ دیتی رہی کہ سینما گھروں کو نذر آتش کر دو اور ایکٹروں کے جسم سے کپڑے اتار لو. یہ دین اور مذہب کے خلاف ہے. پاکستان میں مذہب کے برعکس کوئی کام نہیں ہوگا." اس ہیجانی اور انتہائی دور میں پورے پاکستان کے سینما گھر کم از کم ایک ڈیڑھ ماہ تک مکمل طور پر بند رہے اور اسٹوڈیو میں قفل پڑا رہا. یہ خوف و ہراس، تذبذب اور مستقبل سے شدید مایوسی کا دور تھا اور ہماری فلمی صنعت بے خوابی کے مرض میں مبتلا رہی. سرمایہ کاروں نے اپنا ہاتھ روک لیا فلموں کی تیاری کا تقریباً خاتمہ ہونے کے برابر تھی. فنکار اور دیگر عملہ ذرائع آمدنی سے محروم ہو چکا تھا. اس زمانے میں ہماری ملاقات بعض پروڈیوسروں سے ہوئی تو انہوں نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا کہ حالات مشکل ہی سے سازگار ہوں گے کیونکہ عنانِ حکومت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے جو ملائیت اور پاپائیت کو ہوا دے رہے ہیں. فلموں کی تیاری جرم قرار پائے گی یا ایسی نا روا پابندیاں عائد کر دی جائیں گی جن کی وجہ سے فلموں کی تیاری کا کام مشکل ہو جائے گا اور یہ نوعمر صنعت اپنی موت آپ مر جائے گی. ان حالات میں کوئی سرمایہ کار اس صنعت میں بھلا کس طرح سرمایہ لگائے گا."

پروڈیوسروں کی باتوں میں کتنی سچائی تھی اس کا اندازہ موجودہ حالات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے. سول کابینہ میں جماعت اسلامی جیسی فرقہ پرست جماعت کی شمولیت کے بعد ہماری فلمی صنعت کا مستقبل مزید تاریک ہو چکا ہے ملک کو اس ٹولے کے مخصوص نام نہاد اسلامی نظریات کے رنگ میں رنگنے کے لئے فلموں پر ناقابل بیان سخت سنسر شپ نافذ کر دی گئی ہے سنسر بورڈ میں شامل جماعت اسلامی کے کٹر پیچ ایک کہانی کے مسودے اور اسکرپٹ کے ایک لفظ کو ٹٹولتے ہیں کہ کہیں سے کوئی عریانی یا فحاشی نہ ٹپک رہی ہو. بعض اوقات تیار فلموں کے بڑے حصے پر فحاشی کی تہمت لگا کر قینچی مار دی جاتی ہے جس کی وجہ سے پروڈیوسروں کی کثیر رقم برباد ہوتی ہے اور ان کے سامنے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں یا تو نئے سرے سے جماعت اسلامی کے "ہدایت کاروں" کے مطابق فلم تیار کریں یا ڈبے میں بند کر دیں.

۱۹۷۴ء میں ۱۲۵ اور ۱۹۷۷ء میں صرف ۴۷ فلمیں تیار ہوئیں

جو فلمیں تیار ہو چکی ہیں ان کے پروڈیوسرز پریشان ہیں کہ کیا کریں جو فلمیں نصف مکمل ہو چکی ہیں ان کے آخری حصے میں ردّ و بدل کر کے "تبلیغ" پر زور دیا جا رہا ہے باقی فلموں کے ابتدائی حصوں میں کچھ اسی قسم کی کتر بیونت کر کے سنسر بورڈ کے صالح ارکان کے جذبہ ایمانی کی تسکین کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ جماعت اسلامی اور امریکی درسگاہوں سے فارغ التحصیل "مومنین" فلم انڈسٹری کو مشرف بہ اسلام کرنے کی جو گائیڈ لائن دے رہے ہیں، اس سے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے ایک ممتاز ڈائریکٹر نے کہا کہ اگر ان کی ہدایات پر عمل کیا جائے تو صرف ایم اسلم، صادق سرحدی اور نسیم حجازی کے ناولوں پر ہی فلمیں بن سکتی ہیں۔ وہ بھی اس احتیاط کے ساتھ کہ رومانی مناظر میں طہارت پاکیزگی اور پردے کا معقول بند و بست کیا جائے۔ البتہ سیٹ کے اخراجات بہت کم ہوں گے۔ ریت کے ٹیلے، کھجور کے درخت اور اونٹوں کے جھنڈ کئی کئی فلموں میں کام آئیں گے۔"

صالحین اور مومنین نے فلم انڈسٹری کو ٹھپ کرنے اور فنکاروں کو اس صنعت سے بدگمان کرنے کا ایک اور حربہ استعمال کیا ہے وہ حربہ ٹیکسوں کے واجبات کی بڑے بھونڈے انداز سے وصولی ہے۔ گزشتہ دنوں ۲۷ سالہ ہیروئن فردوس سے ٹیکس کے واجبات کی وصولی کے سلسلے میں اس کی ایک لاکھ ۳۰ ہزار مالیت کی جائیداد کی سرعام نیلامی کی گئی ٹیکس کے حکام کا کہنا ہے کہ اس نے آٹھ سال سے ٹیکس ادا نہیں کئے تھے اور اس پر ایک لاکھ ۱۸ ہزار ڈالر کے واجبات تھے۔ اس واقعہ کے بعد فردوس نے خواب آور گولیاں کھا کر خودکشی کی ناکام کوشش کی تھی۔

ٹیکس کی وصولی کے بہانے پیپلز پارٹی کے حامی اداکاروں کو پریشان کیا جا رہا ہے؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر فردوس نے آٹھ سال سے آمدنی ٹیکس ادا نہیں کئے تھے تو انکم ٹیکس کے حکام کیا کرتے رہے اور جب فردوس کی جانب سے ٹیکس کی رقم اقساط میں ادا کرنے کی درخواست کی گئی تو اس کو مسترد کر کے اس کی املاک کی نیلامی کر کے واجبات کی وصولی کا یہ انتہائی اقدام کسی کی ایماء پر کیا گیا۔؟

اس قسم کا ہتک آمیز ڈرامہ انڈسٹری کے ایک سینئر فنکار محمد علی اور زیبا کے ساتھ بھی رچایا گیا۔ حکام نے ٹیکس کی عدم ادائیگی کی صورت میں لاہور کے فیشن ایبل علاقہ ایبٹ آباد کے پلاٹ کی نیلامی کا اشتہار تک چھپوا دیا علی نے اس پر شدید احتجاج کیا اور اس نے وضاحت کی کہ وہ سالانہ باقاعدگی سے ٹیکس ادا کر رہا ہے اور اگر اس پر کچھ واجبات ہیں تو ادا کرنے پر تیار ہے مگر اس کے لئے شریفانہ طریقہ اختیار کیا جانا چاہیئے"۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ محمد علی نے مارچ ۱۹۷۷ء کے الیکشن میں پیپلز پارٹی کی انتخابی مہم میں حصہ لیا تھا اس لئے اس کو اور اس کی اہلیہ بیوی زیبا کو ہراساں کرنے کے لئے یہ انتقامی اقدامات کئے گئے۔ محمد علی کا کردار قابل تعریف ہے کہ اس نے ان ہتھکنڈوں کی پرواہ کئے بغیر بڑی جراَت کے ساتھ

اعلان کیا کہ وہ مسٹر بھٹو کا دوست ہے اور رہے گا۔

اسی طرح ٹیکس حکام فلمسٹار شاہد کے خلاف ٹیکس کے فراڈ کے الزام میں وارنٹ گرفتاری لے کر اس کے مکان میں گھس گئے۔ ڈائریکٹر حمید چودھری پر بھی ۳ ہزار ۸ سو ڈالر کے ٹیکس کے واجبات تھے جس کی ادائیگی سے انکار کرنے پر اسے گرفتار کر لیا گیا بالآخر اس نے اپنی بعض اشیاء ایک ہزار ۲۵ ڈالر میں فروخت کر کے ٹیکس کی رقم ادا کی اور باقی واجبات اقساط میں ادا کرنے کا وعدہ کر کے گلو خلاصی حاصل کی۔

ٹیکس حکام کا کہنا ہے کہ پاکستان فلم انڈسٹری کے مقبول ایکٹریس شبنم اور اس کے شوہر موسیقار روبن گھوش پر ایک لاکھ ۳۲ ہزار ڈالر کے واجبات ہیں۔ ان پر رقم کی یکمشت ادائیگی کا زبردست دباؤ ہے جبکہ ان کا کہنا ہے کہ اتنی بڑی رقم وہ اقساط میں ہی ادا کر سکتے ہیں۔

محمد علی نے جو ایکٹرز ایسوسی ایشن کا صدر بھی ہے، جنرل ضیاء سے ملاقات کر کے ٹیکس کی ادائیگی کی تاریخ ۲۵ دسمبر تک بڑھانے کی درخواست کی ہے اگر تاریخ بڑھ بھی جاتی ہے تو فنکاروں کے سر پہ جائیداد اور املاک کی ضبطی کا خطرہ کسی نہ کسی صورت میں منڈلاتا رہے گا کیونکہ جماعت اسلامی کے قریبی حلقوں سے معلوم ہوا ہے کہ فلم انڈسٹری کو براہ راست بند کرنے کی بجائے ایسے اقدامات کئے جائیں جن سے فنکار خوف و ہراس اور مایوسی میں مبتلا ہو کر انڈسٹری چھوڑ جائیں۔

مظلوم طبقات کے اتحاد کو

مزید وسیع اور مضبوط بنایا جائیگا

مجاہدین صحافت اور پٹ فیڈر کے اعزاز میں استقبالیے

اصغر خان حسن خیل

۲۲ اکتوبر کو جانسن اینڈ جانسن ورک مین یونین کی جانب سے تحریک آزادی صحافت اور مجاہدین پٹ فیڈر کی رہائی پر ایک استقبالیہ دیا گیا۔ اس جلسہ استقبالیہ کی صدارت جانسن اینڈ جانسن ورک مین یونین کے صدر جناب عارف نوانی کی۔ جلسے سے ہلال پاکستان ایمپلائز یونین کے صدر جناب موسیٰ طاہر، مزدور طلبہ کسان عوامی رابطہ کمیٹی کی جنرل سیکرٹری محترمہ آصفہ رضوی، پاکستان ورکرز فیڈریشن کے جوائنٹ سیکرٹری محمد رمضان، این پی پی کراچی کے جنرل سیکرٹری زبیر رحمٰن، پشتو انقلابی شاعر عمر دین، سندھ این ایس ایف کے رہنماؤں جبار خٹک، غلام اکبر، جانسن اینڈ جانسن ورک مین یونین کے جنرل سیکرٹری محمد اقبال خان، کورنگی گلاس فیکٹری یونین کے جنرل سیکرٹری الطاف الرحمان، عوامی جدوجہد کمیٹی کے رہنما شفیع کلہوڑو، لیبر آرگنائزنگ کمیٹی لانڈھی کے صدر حق نواز، جنرل ٹائر یونین کے انار گل، پاکستان اسٹیل مل پروگریسو ورکرز یونین کے صدر جناب عثمانی اور چشتی ٹیکسٹائل یونین کے صدر جناب عبدالمنان اور دیگر مقررین نے خطاب کیا۔ کورنگی اور لانڈھی کے مزدوروں کی ایک بڑی تعداد نے اس جلسے میں شرکت کی۔

ان رہنماؤں نے کہا کہ پٹ فیڈر کی جدوجہد اور آزادی صحافت کی جدوجہد میں سب سے بڑا مشترک پہلو یہ ہے کہ مزدور طلبہ کسان، صحافی اور دیگر مظلوم طبقات کے لوگوں پاکستان میں پہلی بار آپس میں مربوط ہو کر جدوجہد کی۔

جناب موسیٰ طاہر نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آزادی صحافت اور پٹ فیڈر کی جدوجہد میں مزدور طلبہ کسان اور صحافیوں کا میدان عمل میں جو اتحاد بنا ہے اسے مزید مستحکم کرنا وقت کا اہم ترین تقاضا ہے انہوں نے کہا کہ تحریک آزادی صحافت کے ۵۴ اسیران ابھی بھی پابند سلاسل ہیں۔ ان کی رہائی تک ہماری جدوجہد جاری رہے گی۔

مزدور رہنما محمد رمضان نے کہا کہ سردار جمالی کے قتل پر جنرل ضیاء اور تمام رجعتی سیاسی پارٹیوں کے رہنما تعزیت کے لیے کسانوں کے قاتل مراد جمالی کے گھر جا سکتے ہیں لیکن وہاں سے صرف ۹ میل دور جب ۱۰ کسان شہید کیے جاتے ہیں تو کوئی بھی ان کے تعزیت کے لیے نہیں جاتا اس ایک سردار کے قتل پر سینکڑوں کسان گرفتار ہو چکے ہیں لیکن ۱۰ کسانوں کے قتل پر ایک جاگیردار بھی گرفتار نہیں ہوتا انہوں نے کہا کہ آج کا اتحاد میدان عمل کا اتحاد ہے کاغذی اتحاد کوئی معنی نہیں رکھتا۔

محترمہ آصفہ رضوی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس جلسے کو جلسہ استقبالیہ کہنے کو تیار نہیں بلکہ آئندہ کے لائحہ عمل بنانے کا اجتماع ہے۔ آج ہم تو رہا ہوئے ہیں لیکن پاکستان ورکرز فیڈریشن کے جنرل سیکرٹری جناب فہیم واسطی سمیت ۷ افراد پابند سلاسل ہیں لیاری کے ۳۳ افراد کو قید سخت اور کوڑوں کی سزائیں دی گئی ہیں ان کے علاوہ جیالے صحافی مسعود قمر، شمیم اصغر، جان عالم اب بھی جیل کی زندگی گزار رہے ہیں جب تک یہ تمام افراد رہا نہیں ہوتے ہماری جدوجہد جاری رہے گی۔

مزدور رہنماؤں شفیع کلہوڑو، حق نواز، انار گل عبدالمنان اور عثمانی نے مزدور، طلبہ، کسان عوامی رابطہ کمیٹی کے کارکنوں، صحافیوں اور دیگر وہ تنظیمیں جنہوں نے غیر مشروط طور پر تحریک آزادی صحافت میں حصہ لیا انہیں خراج تحسین پیش کیا اور جانسن اینڈ جانسن ورک

مین یونین کا شکریہ ادا کیا۔

۲۶ اکتوبر کو مجاہدین آزادی صحافت اور مجاہدین پٹ فیڈر کی رہائی پران کے اعزاز میں لیاری نوجوان تحریک کی جانب سے ایک استقبالیہ دیا گیا جس کی صدارت لیاری نوجوان تحریک کے چیئرمین یوسف ذردان نے کی۔ اور اس سے اینپک کراچی کے سیکریٹری امیر محمد خان، پاکستان ورکرز فیڈریشن کے جوائنٹ سیکریٹری محمد رمضان، ہلال پاکستان ورکرز یونین کے صدر محمد موسٰی طاہر، لطیف سومرو، سندھ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے رہنما جبار خٹک اسمٰعیل ایدھی، غلام اکبر عبدالخالق زردان، پروگریسو فرنٹ کے ضیاء اعوان، پشتو شاعر عمر دین اور نیشنل پروگریسو پارٹی کراچی کے جنرل سیکریٹری سید زبیر رحمٰن نے خطاب کیا۔ مقررین نے کہا کہ پٹ فیڈر اور آزادی صحافت کی جدوجہد کو مثال بناتے ہوئے ہمیں ملک کے مظلوم طبقات کا مزید وسیع تر اتحاد قائم کرنے کی کوششوں کو آگے بڑھانا چاہیئے مقررین نے اس امر پر غم و غصہ کا اظہار کیا کہ لیاری اور حیدرآباد سمیت تمام اسیر مجاہدین صحافت کو ابھی تک رہا نہیں کیا گیا ہے۔ امیر محمد خان نے کہا کہ معاہدے کے تحت حکومت تمام گرفتار شدگان کو رہا کرنے کی پابند ہے انہوں نے استقبالیہ میں موجود لیاری کے اسیر مجاہدین کے اہل خانہ عورتوں، بچوں اور دیگر افراد کو یقین دلایا کہ اینپک، پی ایف یو جے اور عوامی جدوجہد کمیٹی ان افراد کی رہائی کے لیئے جدوجہد آگے بڑھائے گی۔ این پی پی کراچی کے جنرل سیکریٹری زبیر رحمان نے تحریک آزادی صحافت کے پہلے شہید اللہ بخش مانڈرہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کے اہل خانہ سے ہمدردی کا اظہار کیا اور کہا کہ این پی پی تمام مظلوم طبقات کے ساتھ ہے اور رہے گی۔

پٹ فیڈر کے کسانوں کی حمایت کے جرم میں ایک سال کی سزا کے بعد رہا ہو کر آنے والے پاکستان ورکرز فیڈریشن کے جوائنٹ سیکریٹری محمد رمضان نے کہا کہ پٹ فیڈر کے کسانوں اور آزادی صحافت کی جدوجہد اس ملک کے مظلوم طبقات کی جدوجہد کی تاریخ میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ ان کے دوران پہلی مرتبہ طلبہ کسانوں، مزدوروں اور دانشوروں کا وسیع تر اتحاد عملی طور پر قائم ہوا۔ لیاری نوجوان تحریک کے رہنما اور گذشتہ انتخابات میں قومی اسمبلی کے امیدوار رجان محمد بلوچ نے رہائی پانے والے مجاہدین کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ ظلم تشدد لوٹ کھسوٹ اور استحصال کو برقرار رکھنے والے عوام دشمن سامراجی ایجنٹوں کا مقدر آخر کار ان کی عبرتناک شکست ہے کیونکہ وہ عوام کی بے مثال قربانیوں اور جدوجہد سے ان کی سیاسی موت قریب تر آتی جارہی ہے اور آخر کار آزادی اور خوشحالی کا سورج طلوع ہو کر رہے گا۔

استقبالیہ میں مختلف قراردادیں منظور کی گئیں جن میں اخبارات پر سے سنسرشپ کا خاتمہ لیاری اور حیدرآباد سمیت تمام اسیران صحافت کی رہائی، لانڈھی کے مزدوروں کے مطالبات تسلیم کرنے اور یکم مئی کے اسیروں کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا ●●

خلیل کھتری

سندھ میڈیکل کالج، دو ہزار طلبا کیلئے صرف دو بسیں

بسیں دینے کا اعلان، دفتری منابطوں کی نذر ہو گیا!

سندھ میڈیکل کالج کے وجود میں آنے سے پیشتر کراچی جیسے بڑے شہر میں صرف ایک میڈیکل کالج تھا۔ جو اتنے بڑے شہر کی ضروریات کو پورا کرنے سے قطعی طور پر قاصر تھا۔ این ایس ایف پاکستان ۱۹۵۲ء سے نئے میڈیکل کالج کے قیام کا مطالبہ کرتی چلی آ رہی ہے طلباء کے مطالبہ کی وجہ سے ۱۹۷۳ء میں اس وقت کی حکومت نے جناح پوسٹ گریجویٹ میڈیکل سنٹر سے ملحق ایک نئے میڈیکل کالج کی داغ بیل ڈالی۔ اس لئے عارضی عمارت کا انتظام کیا گیا۔ جو اس سے پہلے چلڈرن وارڈ کہلاتا تھا۔ لیکن اس کالج کو شروع دن سے گوناں گوں مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ جس میں سب سے اہم مسئلہ ٹرانسپورٹ کا مسئلہ تھا۔ جس کے حل کی خاطر کوئی منصوبہ بندی نہیں کی گئی تھی۔ کیونکہ یہ کالج شہر سے ہٹ کر واقع ہے اس لئے طلبہ کو ٹرانسپورٹ کے حصول میں شدید دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے طلبہ اس مسئلے کے حل کی خاطر کوشاں رہے۔ ۱۹۷۳ء میں جب طلبہ یونین پر پابندی عائد تھی۔ این ایس ایف کے کارکنوں کی کوششوں سے حکومت نے تین بسیں منظور کیں لیکن بعد میں یہ سرخ فیتے کا شکار بنی رہی آخر خدا خدا کرتے مئی ۱۹۷۶ء میں کالج کو دو بسیں دی گئیں۔ جن کی حالت یہ تھی کہ بیرونی رنگ و روغن کے علاوہ ان کا پرزہ پرزہ اپنی عمر رفتہ کو آواز دے رہا تھا۔ یہ بسیں طلباء کے لئے باعث رحمت کی بجائے باعث زحمت ثابت ہوئیں

۱۵ دسمبر ۱۹۷۶ء کو این ایس ایف کے صدارتی امیدوار محمد حسن حیدری صدر یونین منتخب ہوگئے اس کے بعد ٹرانسپورٹ کے مسئلہ کے حل کی خاطر نئی جدوجہد کا آغاز ہوا جو ہمیشہ کالج کی تاریخ میں سنگ میل ثابت ہوگا۔ جنوری ۱۹۷۷ء میں صدر یونین نے سندھ میڈیکل کالج کے طلباء اور خصوصاً نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے کارکنوں کی مدد سے ہفتۂ جدوجہد منایا۔ جس میں اسوقت کے وزیر اعلیٰ کی سرکاری رہائش گاہ پر طلبہ کا مظاہرہ بھی شامل تھا۔ حکام نے صدر یونین سے مذاکرات کئے جس کے نتیجے میں بہت سے مطالبات تسلیم کر لئے گئے۔ جس میں سب سے اہم کامیابی کالج کے لئے چھ بسوں کی منظوری اور دیگر سہولتیں فراہم کرنا تھی۔ اس کے بعد طلبہ کے منتخب نمائندے حکومت کے کارندوں سے بار بار ملاقات کرتے رہے اور بسوں کی جلد از جلد فراہمی کا مطالبہ کرتے رہے۔ ان ملاقاتوں میں ہوم سیکریٹری، ہیلتھ منسٹر، ہیلتھ سیکریٹری فنانس سکریٹری، ٹرانسپورٹ سکریٹری، کراچی ٹرانسپورٹ کارپوریشن کے چیئرمین سے ملاقاتیں بھی شامل تھیں۔ لیکن ہر محکمہ اپنی اپنی مجبوری کا رونا روتا رہا۔ کبھی فنڈ کی کمی کی شکایت اور کبھی ملکی حالات کے ناسازگار ہونے کا گلا کیا جاتا رہا۔ آخر ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو فوج نے ملک کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ صدر یونین اور طلباء کے مختلف

وفود نے فوجی انتظامیہ کے چیدہ چیدہ افسران سے ملاقاتوں میں بسوں کے حصول کا مطالبہ کیا لیکن ٹال مٹول اور سرد مہری کی پالیسی کو جاری رکھتے ہوئے طلبہ نے اپنے حقیقی مسئلے کی جانب انتظامیہ کی توجہ دلاتے اور مسئلہ کے حل کی خاطر فیصلہ کن جدوجہد کا فیصلہ کیا۔ ۳۱ر اکتوبر ۷۷ء کو انتظامیہ کو ایک ہفتہ کا نوٹس دے دیا گیا ۷ر نومبر کو ایک پریس کانفرنس میں صدر یونین نے ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر ۶ بسوں کو کالج کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا ۸ر نومبر ۷۷ء کی صبح کو صدر یونین نے این ایس ایف کے کارکنوں اور خصوصاً ایس ایم سی کے طلباء کی مدد سے ۶ بسوں پر قبضہ کر لیا۔ جو کراچی ٹرانسپورٹ کارپوریشن کی ملکیت تھیں۔ انتظامیہ نے طلباء سے مذاکرات کئے جس کے نتیجہ کے طور پر ۲ بسیں فوری طور پر کالج کو دینے کا اعلان کیا گیا۔ لیکن یہ اعلان ہی ثابت ہوا۔ ۸ر اور ۹ر نومبر کی درمیانی شب ۲ ہزار فوجیوں اور پولیس کے مسلح سپاہیوں نے کمانڈوز، فائر بریگیڈ وغیرہ کی مدد سے ایس ایم سی پر دھاوا بول دیا۔ یہ فوجی سپاہی ۳۲ ٹرکوں پر سوار تھے۔ یہ آپریشن ۳ گھنٹے جاری رہا۔ کالج کے چپے چپے کی تلاشی لی گئی۔ اس کے نتیجے میں ایس ایم سی کے ۷۰ طلباء کو گرفتار کر لیا گیا جو سب این ایس ایف کے کارکن تھے اس کے علاوہ بسوں کو بھی طلباء کے قبضے سے چھڑوا لیا گیا۔ اس سے ایس ایم سی کے طلباء میں سخت غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ جس کے نتیجے کے طور پر ۱۰ر نومبر کو طلباء و طالبات نے طلبہ کی گرفتاریوں اور بسوں کو واپس لے جانے کے خلاف ڈاؤ میڈیکل کالج اور اخبارات کے دفتر کے سامنے مظاہرہ کیا۔ اس دن پولیس نے ۱۶۱ طلباء اور ۵۰ طالبات کو گرفتار کیا۔ طالبات کو بعد ازیں رہا کر دیا گیا۔ لیکن چار طالبات جو این ایس ایف کی کارکن تھیں انہوں نے رہا ہونے سے انکار کر دیا۔ چار گھنٹے کے بعد ان کو زبردستی رہا کر دیا گیا۔ طلباء کو شہر کے مختلف پولیس اسٹیشنوں میں تنگ و تاریک کوٹھریوں میں رکھا گیا۔ مستقبل کے مسیحاؤں کے ہاتھوں میں عادی مجرموں کی طرح ہتھکڑیاں پہنائی گئیں۔ کئی گھنٹے تک بھوکا پیاسا رکھا گیا۔ پاکستان کی تاریخ میں طلباء کی اتنی بڑی تعداد کے گرفتار ہونے پر کراچی کی طلبہ برادری میں شدید غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ اور شہر کی فضا مکدر ہو گئی۔ صحافی برادری اور دیگر تنظیموں کے علاوہ عوام نے بھی سندھ میڈیکل کالج کے طلباء کو رہا کرنے اور ۶ بسیں دینے کا مطالبہ کیا۔ رائے عامہ کے شدید دباؤ کے باعث ۱۶۱ طلباء کو دو نشستوں میں چار چار دن زیر حراست رکھنے کے بعد رہا کر دیا گیا۔ لیکن ۲۷ طلباء کو سنٹرل جیل بھیج دیا گیا جس کی این ایس ایف پاکستان نے شدید مذمت کی۔ کراچی کے طلبہ نے اعلان کیا کہ اگر ان جیالوں کو رہا نہیں کیا گیا تو طلبہ برادری اپنے حقوق کی خاطر میدان عمل میں نکل آئے گی۔ سیاسی لیڈر حضرات نے بھی ان طلباء کی رہائی اور مطالبات کی حمایت کی اور بیانات دیئے آخر انتظامیہ کو طلباء کے اتحاد کے سامنے جھکنا پڑا اور عید سے ایک دن قبل ان طلبہ کو رہا کر دیا گیا ہے ۱۸ طلبہ کو بطور سزا بیرون سندھ اور بیرون کراچی تبادلے کے احکامات دیئے گئے۔ یہ پاکستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ طلبہ تھے جنہیں صوبہ اور شہر بدر کیا گیا۔ اس انتہائی نازک دور میں جب طلبہ میں اتحاد کی شدید ضرورت تھی اسلامی جمعیت طلبہ نے منفی کردار ادا کیا۔ وہ اپنے مختلف آقاؤں کے پاس گئے جس میں جماعت اسلامی کے نامی گرامی لیڈر بھی شامل تھے اور ان کے ذریعہ حکومت پر دباؤ ڈال کر مطالبات کے حصول میں رکاوٹیں پیدا کی گئیں جمعیت کے رکن مخبری کے فرائض بھی انجام دیتے رہے لیکن ان طلباء نے سب دروازے بند ہو جانے کے بعد بھی ہمت نہ ہاری۔ اور انصاف کی خاطر سندھ ہائی کورٹ کے جج صاحبان نے

میں حکام کے غیر قانونی اقدامات کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا گیا۔ انصاف اور سچائی کا بول بالا ہوا۔ ہائی کورٹ کے جج صاحبان نے طلبہ کے حق میں فیصلہ دے کر شہر اور صوبہ بدری کے احکامات کو غیر قانونی قرار دے دیا اور این ایس ایف کے جیالے ڈھائی ماہ کی شدید ذہنی کشمکش اور اضطراب و اذیت سہنے کے بعد کالج میں سرخرو انداز میں واپس آئے۔ اس کے بعد حکام سے پر امن مذاکرات جاری رہے جس کے نتیجے میں موجودہ انتظامیہ نے بھی کالج کے لئے ۶ بسوں کی منظوری دی ہے ایمیس کالج کی پانچویں سالگرہ کی خوشی میں ملک کی نہایت اہم شخصیت کی جانب سے کالج کے لئے دو بسیں دینے کا اعلان کیا گیا۔ جو شاید رجعت پسندوں کی ملی بھگت کے نتیجہ میں صرف کاغذی اعلان ہی ثابت ہوا اور طلبہ کی ہر دل عزیز "یونین" کو ناکام بنانے کی خاطر رجعت پسند انتظامیہ نے تاخیری حربوں کے ساتھ کامیابی کی راہ میں ہر ہر قدم پر روڑے اٹکائے۔ بسوں کو ابھی تک کالج کے حوالے نہیں کیا گیا۔

۶ر جون ۷۸ء کو اسلامی جمعیت طلبہ کے نمائندے صدر یونین منتخب ہوئے۔ انہوں نے اور انکی جماعت نے یہ مناسب سمجھا کہ اگر اس وقت بسیں کالج کے لئے لی جاتی ہیں تو اس کا سہرا صرف اور صرف این ایس ایف کے جیالے کارکنوں اور گذشتہ یونین کے سر باندھا جائے گا اس لئے وہ منتخب ہونے کے ۶ ماہ بعد بھی طلبہ کو بسوں سے محروم رکھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اسلامی جمعیت طلبہ کے ایک سابق رکن جاوید ہاشمی "صدر کے مشیر برائے طلباء امور" ہیں اور اس وقت موجودہ حکومت بھی ان کی حمایت کر رہی ہے۔ سندھ میڈیکل کالج میں اس وقت ۲ ہزار سے زائد طالب علم زیر تعلیم ہیں لیکن یہ کالج پاکستان کا واحد میڈیکل کالج ہے جس کے پاس صرف ۲ بسیں ہیں جن میں سے صرف ایک چل رہی ہے بہت سے طلبا اور طالبات کو حادثات پیش آ چکے ہیں اس کے برعکس دوسرے کالجوں کے پاس گیارہ سے زیادہ بسوں کے فلیٹ ہیں اور انہیں دیگر سہولتیں بھی حاصل ہیں۔

این ایس ایف پاکستان، سندھ میڈیکل کالج یونٹ اور اس کے منتخب طلباء کے نمائندے صوبائی حکام سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ سندھ میڈیکل کالج سے سوتیلے پن کا سلوک ختم کیا جائے۔ حقیقی مسئلہ کے حل کی خاطر طلبہ کی تاریخی جدوجہد کے نتیجے میں منظور کی جانیوالی ۶ بسیں دی جائیں۔ اب جبکہ ۸ر نومبر کو طلبہ اپنی جدوجہد کی پہلی سالگرہ منا رہے طلبا کا دیرینہ مطالبہ پورا کر کے ذہنی اضطراب اور تشویش کی فضا ختم کی جائے۔

"سب اچھا ہے" کہنے والے مزدوروں کے مسائل الجھا رہے ہیں

فیصل آباد

آغا ارباب خاور

پاکستان کے سب سے بڑے صنعتی شہر فیصل آباد سمیت، جھنگ، میانوالی اور سرگودھا کے تمام ضلعی اداروں خصوصاً ٹیکسٹائل ملوں اور گھی ملوں کے محنت کش اس وقت شدید ترین مشکلات سے دوچار ہیں۔ بیشتر چھوٹے یونٹوں

کے مزدور فاقہ کشی پر مجبور ہیں اور یہ اس ملک کی بدقسمتی ہے کہ پاکستان کو معرض وجود میں آئے تقریباً ۳۱ برس کا عرصہ بیت چکا ہے اس عرصہ میں مختلف حکومتیں آئیں اور جھوٹے وعدوں و غلط نعروں کے سہارے وقت گزار کر چلی گئیں اور اس ملک کے محنت کش طبقہ کی فلاح و بہبود کے لئے کاغذی کارروائیاں تو کی گئیں مگر عملی طور پر کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا جس کی وجہ سے مزدوروں، کسانوں اور دیگر لوگوں کے مسائل میں دن بدن اضافہ ہوتا رہا اور آج یہ حالت ہو چکی ہے کہ ملکی (صنعتی) پیداوار شدید طور پر متاثر ہو رہی ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ جب اس ملک کا کسان اور مزدور خوش نہیں ہوگا تو ملکی پیداوار بڑھانے کے لئے وہ صحیح طور پر کام نہیں کر سکے گا!

سرگودھا ڈویژن کے صنعتی اداروں کی اس وقت جو حالت ہے وہ حکمران طبقہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ مزدور مل مالکان کے رویّے سے سخت نالاں ہیں۔ بیروزگاروں کی صف میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے جس کی وجہ سے مزدور سڑکوں پر نکلنے کے لئے مجبور ہیں۔ تقریباً سات لاکھ سے زائد مزدور اعلیٰ حکام کی عدم توجہ کے باعث پریشان ہیں۔ ان کی پریشانی کے ازالہ کے لئے کوئی مثبت قدم نہیں اٹھایا گیا۔ بیشتر مزدور تنظیموں نے مطالبات حل نہ کرنے پر اپنے اداروں کی انتظامیہ کو ہڑتال نوٹس دے رکھے ہیں۔ متعدد چھوٹے اور بڑے یونٹوں میں چھانٹیاں برطرفیاں اور تالابندیاں کی جا رہی ہیں، محنت کشوں کو ملازمتوں کا تحفظ حاصل نہیں ہے۔ مالکان نے مزدور یونینوں کے منتخب نمائندگان کو بعض فوجداری اور سول مقدمات میں الجھا رکھا ہے۔ کئی مزدور پابند سلاسل ہیں یہ تمام پریشانیاں ملکی پیداوار کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹیں ہیں جن کا فوری طور پر حل کیا جانا ملکی مفاد اور قومی یکجہتی میں ہے۔ سابقہ حکومت کی گرفت سے بچنے کے لئے بڑے بڑے مل مالکان اور سرمایہ داروں نے اپنے کروڑوں روپے غیر ممالک منتقل کر دیئے تھے جن کا اس وقت واپس لایا جانا انتہائی ناگزیر ہے۔ موجودہ حکومت کو چاہیئے کہ اعلیٰ سطح پر ان معاملات کی چھان بین کر کے غیر ممالک میں منتقل کی جانے والی یہ رقم سرمایہ داروں کے ذریعے واپس منگوائے تاکہ اس رقم کو پاکستان کی انڈسٹری اور اس سے متعلق محنت کش طبقہ کی فلاح و بہبود پر صرف کیا جا سکے۔ فیصل آباد کی سمال انڈسٹری اور گھی ملوں کی انتظامیہ مزدوروں سے مذاکرات کرنے کی بجائے انہیں انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنا رہی ہے جس سے مزدوروں میں شدید اشتعال پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان اداروں کی یونینوں نے قانون محنت کے تحت ڈیمانڈ نوٹس دینے کے بعد ہڑتال کا نوٹس دے رکھا ہے۔

گزشتہ دنوں ضلعی انتظامیہ نے جنرل محمد ضیاء الحق کے ساتھ جن تنظیموں کے نمائندگان کو ملاقات کرنے کا موقع فراہم کیا ان میں مزدوروں کا کوئی منتخب نمائندہ شامل نہیں تھا حالانکہ اس سے پیشتر ہوتا یہ آیا ہے کہ جب بھی ملکی سربراہ اس شہر میں تشریف لائے تو ان کے ساتھ سب سے پہلے صنعتی مسائل پر گفت و شنید کے لئے محنت کشوں کے نمائندوں کو دعوت دی جاتی تھی کیونکہ فیصل آباد ملک کا سب سے بڑا صنعتی شہر ہے جسے دوسرے الفاظ میں پاکستان کا مانچسٹر بھی کہا جاتا ہے اس وقت صورتحال یہ ہے کہ فیصل آباد سمیت پنجاب کے مختلف صنعتی اداروں، گھی ملوں، اور فیکٹریوں میں مزدوروں کے احتجاجی اجلاس منعقد ہو رہے ہیں بعض اداروں میں مزدور بازوؤں پر سیاہ پٹیاں باندھ کر اپنے مطالبات کی حمایت میں "خاموش احتجاجی مظاہرہ" کر رہے ہیں۔ عمارتوں پر سیاہ اور سرخ لہراتے پرچم اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ اس ملک کا مزدور بے چین ہے خصوصاً گھی ملوں کے مزدوروں نے تو تنگ آ کر گھی کارپوریشن کی انتظامیہ کے خلاف مطالبات تسلیم نہ ہونے تک سینہ کوبی شروع کر دی ہے۔ یہ سلسلہ ۲۸ اکتوبر سے شروع ہوا ہے اور تقریباً یکم نومبر ۱۹۷۸ء کے بعد تک جاری رکھنے کا پروگرام ہے، ۲ نومبر کو لاہور میں گھی ملوں کی یونینوں کا ایک اہم اجلاس بھی منعقد ہو رہا ہے جس میں آئندہ کے لئے بعض اہم فیصلے کئے جائیں گے۔

صنعتی مسائل اور مزدوروں کے معاملات سلجھانے کے لئے حکومت نے محکمہ لیبر قائم کیا ہوا ہے جس کا کام محض کاغذی کارروائی تک محدود ہے۔ مزدور طبقہ اس محکمے کی کارکردگی سے شدید نالاں ہے اگر یوں کہا جائے کہ محکمہ لیبر صنعتی امن کی بحالی میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ مشاہدے کی بات ہے کہ جب بھی محکمہ محنت نے آجر اور مزدور کے مابین کشیدگی کو ختم کرنے کے لئے مصالحتی کردار ادا کیا وہ بری طرح ناکام رہا اس کی چند ایک وجوہات ہیں۔

۱۔ صنعتی اداروں کے مالکان مذاکرات میں شمولیت نہیں کرتے جس کی وجہ سے مزدوروں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر وہ اپنی جانب سے ایسے نمائندگان کو منتخب کر کے مذاکرات میں بھیجتے ہیں جنہیں صنعتی مسائل نپٹانے کا نہ تو تجربہ ہوتا ہے اور نہ ہی اختیار! ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت محکمہ لیبر کے افسران کے پاس ساڑھے چار ہزار سے زائد محنت کشوں کے ایسے مصالحتی مقدمات تصفیہ طلب پڑے ہوئے ہیں جنہیں ۲ سے ۴ برس کا عرصہ بیت چکا ہے یہی حال یہاں کی لیبر عدالتوں کا ہے صنعتی مسائل بڑھنے کے ساتھ ساتھ مزدوروں اور مالکان کے مابین عدالتی مقدمات کی فہرست میں بھی اضافہ ہو رہا ہے جس کی وجہ سے لیبر عدالتوں کے جج صاحبان ان مقدمات کا جلد تصفیہ کرنے سے معذور ہیں۔ مزدوروں کا یہ دیرینہ مطالبہ کہ فیصل آباد میں مزید لیبر عدالتیں قائم کی جائیں۔ موجودہ حکومت کو تسلیم کر لینا چاہیئے محنت کشوں اور حکومت کے درمیان خوشگوار فضا قائم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کے جائز مطالبات کو فوری طور پر حل کر لیا جائے اور مزدوروں میں پائی جانے والی بے چینی اور بے یقینی کو ختم کرنے کے لئے مستقبل قریب میں ایک سہ فریقی لیبر کانفرنس اسلام آباد میں طلب کی جائے جس میں ملک کی تمام مزدور تنظیموں کے نمائندوں کو اپنے مطالبات پیش کرنے کی کھلی اجازت ہو تاکہ اس کانفرنس میں صنعتی تنازعات کا ازالہ کر کے ملک میں خوشگوار فضا پیدا کی جا سکے۔ مزدور خوشحال ہوگا تو کارخانے بند نہیں ہوں گے اور نہ ہی ملک کی صنعتی پیداوار میں کمی واقع ہوگی یہاں اس امر کا ذکر کرنا انتہائی ضروری ہے کہ شا پس آرڈیننس کو ختم نہ کیا جائے بلکہ مجوزہ سہ فریقی لیبر کانفرنس میں اکثریت رائے سے لیبر لیڈروں کے مشورہ کے بعد لیبر قوانین میں ترامیم کی جائیں ورنہ اگر اس سے پیشتر حکومت نے لیبر قوانین میں کوئی بھی ردو بدل کی تو اس سے مزدوروں کو شدید نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا اور سرمایہ داروں کو براہ راست فائدہ ہوگا۔

سرگودھا ڈویژن کے بڑے اور چھوٹے صنعتی اداروں کی مزدور یونینوں نے اپنے مطالبات حل کرانے کے لئے ایک مزدور اتحاد کمیٹی قائم کی ہے جس کے صدر صالح محمد نیازی اور سیکریٹری جنرل عبدالواحد ہیں۔ اس کمیٹی میں تقریباً ساڑھے چار سو سے زائد چھوٹے اور بڑے یونٹ شامل ہیں گزشتہ دنوں اس کمیٹی کے سربراہ نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کے دوران مارشل لاء حکومت سے مطالبہ کیا کہ مزدوروں کے مسائل فوری طور پر حل کر لئے جائیں ورنہ مزدور سڑکوں پر نکل آئیں گے۔ اس پریس کانفرنس میں تمام یونینوں کے سربراہ بھی موجود تھے جنہوں نے کہا کہ ہم کسی سیاسی جماعت کے آلۂ کار نہیں بلکہ مزدور تنظیموں کے منتخب عہدیدار ہیں ہم نے جب بھی مطالبات کے سلسلے میں حکومت کی توجہ مبذول کرانے کی سعی کی تو ہمیں یہ کہہ کر خاموش کر دیا جاتا ہے کہ ہمارا تعلق سیاسی جماعتوں سے ہے لہٰذا یہ مطالبات تو

ایک ڈھونگ ہیں حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ مزدور نمائندگان نے کہا کہ ہم ملک میں انتشار نہیں چاہتے بلکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ملک میں صنعتی امن بحال ہو اور اس ملک کا مزدور خوشحال ہو انہوں نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ حکومت مزدوروں کے مسائل کا صحیح حل تلاش کرے اور مطالبات خوشگوار فضا کے اندر رہتے ہوئے تسلیم کر لئے جائیں ورنہ مزدور اپنے حقوق کی جدوجہد کے لئے سخت سے سخت قدم اٹھانے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔

انہوں نے مطالبہ کیا کہ صنعتی مراکز سے مزدوروں کی چھانٹیاں، برطرفیاں اور تالا بندیاں بند کرائی جائیں۔ ملازمتوں کا تحفظ دیا جائے، مقدمات واپس لئے جائیں، گرفتار شدہ مزدوروں کو رہا کیا جائے۔ سابقہ دور حکومت میں گلستان کالونی میں لیبر ہال کی تعمیر کے لئے ملنے والی چار کنال اراضی پر لیبر ہال کی تعمیر کی اجازت اور زیادہ سے زیادہ بونس دیا جائے ملازمین کی تنخواہوں میں ۳۰ فیصد مہنگائی الاؤنس اور ۳۰ فیصد کرایہ الاؤنس (مکان) کا اضافہ کیا جائے۔ قومیائی گئی ملیں ان کے سابقہ مالکان کو واپس نہ کی جائیں۔ شوگر ملوں اور گھی ملوں میں ٹھیکیداری سسٹم ختم کیا جائے اور دیگر اداروں کے ملازمین کی طرح انہیں بھی مراعات دی جائیں۔ سمال انڈسٹری میں انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے تعمیر کی گئیں دیواریں ختم کی جائیں ان دیواروں کا مقصد ملازمین کی تعداد بیس (۲۰) سے کم ظاہر کرنا ہے تاکہ انہیں حکومت کی جانب سے ملنے والی مراعات سے محروم کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں پنجاب بھر کے محنت کشوں کے مسائل سے حکومت کو آگاہ کرنے کے لئے ۲ نومبر کو اتحاد کمیٹی کی جنرل کونسل کا اجلاس لاہور میں منعقد ہو رہا ہے جس میں اہم فیصلے کئے جائیں گے۔

بقیہ ۔ مختار رانا

یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ پاکستان کے اکثر حکمران حصول اقتدار کی کوشش کے وقت یا اس سے چمٹے رہنے کے دوران اپنے زوال تک خود کو مکافات کے آفاقی اصول سے بالا سمجھتے ہیں ان کی بے قابو خواہشات یا اقتدار پرستی کی کمزوری انہیں اندھا کر دیتی ہے۔ وہ اپنے پیشروؤں کے انجام سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتے۔

لیکن پاکستانی عوام کا بڑھتا ہوا سیاسی شعور بالآخر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آمریت کو جمہوریت سے بدل دیگا۔

آپ کا مخلص

(شرح دستخط :۔ محمد مختار رانا)

بریگیڈئیر مظفر حسین بنام مختار رانا

ایچ کیو مارشل لاء زون "اے" پنجاب
اسمبلی چیمبرز لاہور
ٹیلیفون ۱۴۱۹۴۱ - ۵۶۹۴۱ - ایم آئی ایل ۱۷۲۱
۵۰ ۳/ای - ۲ - ۲۶ - اگست ۸۰، ۱۹ء

بخدمت
جناب مختار رانا
ووبرن مینشنز
ٹورنگٹن پلیس
لندن ڈبلیو سی - ۱

موضوع :۔ سیاستدانوں کا احتساب۔

۱۔ ۲۷ جنوری ۸۰، ۱۹ء کو آپ کو ایک خط بھیجا گیا تھا لیکن کوئی جواب موصول نہیں ہوا ہے۔

ان حالات سے آپ، اور ہمارے دوسرے ہم وطن بخوبی واقف ہیں جن میں جولائی ۱۹۷۷ء میں

دوسرے ہم وطن بخوبی واقف ہیں جن میں جولائی ۷۷، ۱۹ء میں بری فوج کو مداخلت کرنی پڑی۔ یہ اقدام صرف ملک کی سالمیت کے تحفظ کے لئے ہی ناگزیر نہیں تھا بلکہ غریب عوام کی زبوں حالی کے لئے بھی جن کو جمہوریت کے پردے میں ہر قسم کے جبر کا شکار بنایا جا رہا تھا۔ مسلح افواج کو ایسا ماحول پیدا کرنا تھا جن میں جس قدر جلد ممکن ہو اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو واپس کر دیا جائے لیکن ایسا کرنے سے پہلے یہ ضروری سمجھا گیا کہ ملک کو بدعنوان سیاستدانوں اور بدعنوان افسروں سے نجات دلائی جائے تاکہ بعد میں ہونے والے انتخابات میں ایماندار، مخلص اور محب وطن سیاسی قیادت ابھرے اور ریاستی معاملات کو جمہوری انداز میں کنٹرول کرے۔ اسی غرض سے احتساب کا عمل شروع کیا گیا ہے۔ جہاں تمام سابق سیاستدانوں کے معاملات ان کی اپنی خصوصیات کی بنیاد پر پرکھے جاتے ہیں اور جو بدعنوانی اور رشوت میں ملوث رہے ہیں انہیں آئندہ انتخابات میں حصہ لینے کے لئے نااہل قرار دیا جاتا ہے اسے چند لوگ عوام کے جمہوری حقوق کے بعض پہلوؤں کے حوالے سے ناپسندیدہ سمجھ سکتے ہیں لیکن یہ چند لاعلم لوگ ہیں جو ایسا سوچ سکتے ہیں۔ ایسے ماحول میں جہاں بدعنوانی چھائی ہوئی ہو وہاں سیاسی منظر سے بدعنوان افراد کا خاتمہ کرنا ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ دیانتدار قیادت کو آگے لانے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

۳۔ یہ مذکور الصدر پیراگراف ۲ کے تقاضے اور جذبے کو سامنے رکھتے ہوئے ہی ہمارا محولا بالا خط آپکو بھیجا گیا تھا۔ کہ اپنی پوزیشن کی وضاحت کریں۔ سابقہ حکومت کے دور میں آپکی قربانیوں اور آپ کے خلاف ہونے والی زیادتیوں سے اکثر لوگ واقف ہیں لیکن ہمیں آپ کے اثاثوں کا جائزہ لینا ہے جیسے کہ آپ بھیجیں گے۔ پاکستان میں آپ کے رہائشی پتے پر ایک خط بھیجا گیا تھا اور آپ کی بیگم نے ہمیں جواب دیتے ہوئے ہمیں آپ کا برطانیہ کا پتہ دیا۔ انہی کی درخواست پر ہم نے آپ سے مذکورہ بالا پتے پر رابطہ قائم کیا۔ ہم قانوناً اس چیز کے پابند نہیں تھے کہ ایک سابق قانون ساز سے خط و کتابت کریں۔ مقدمات پر کارروائی ہو سکتی تھی مگر منصفانہ روش اور انصاف کے مفاد میں اور جمہوریت کے لئے آپکی سابقہ جدوجہد کے مفاد میں ہم نے آپ سے رابطہ قائم کرنے کی یہ کوشش کی تاکہ آپ ثابت کر سکیں کہ آپ نے عوامی عہدے سے کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا یہ آپکے اور ملک کے مفاد میں ہے کہ آپ ۷۰، ۱۹ء میں اور اس کے بعد ۷۰، ۱۹ء میں جو اثاثے رکھتے ہیں ان کے بارے میں اپنی پوزیشن لازمی طور پر واضح کریں۔ کیونکہ تمام سابق قانون سازوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے اثاثوں کے ڈیکلریشن داخل کریں۔ اس لیئے ہم آپ کے پُر کرنے اور واپس کرنے کے لئے ایک پروفارما منسلک کر رہے ہیں۔ آپ کے جواب کی وصولی پر اثاثوں کی جانچ پڑتال کی جائے گی اور آپ کو اطلاع دی جائے گی۔

۴۔ مذکورالصدر کے پیش نظر آپ سے درخواست کی جاتی ہے کہ منسلکہ پروفارما کے مطابق جس قدر جلد ممکن ہو اپنے اثاثوں، واجبات اور جائداد وغیرہ کے بارے میں معلومات روانہ کریں۔

(شرح دستخط : مظفر حسین)

...ظم علی

...لینڈ کا یارِ غار

...رشل لا کا مشیر

معظم علی، سی آئی اے ایجنٹ فارلینڈ کے ساتھ

Farland, Joseph Simpson
geb. 11. 8. 1914;
1942/44 Agent des FBI; 1944/46 in US Navy; 1945/46
167
Marineverbindungsoffizier bei Militärregierung in Korea.
seit 1957 US-Botschafter;
E.: Ciudad Trujillo, Panama, Washington

یہ دستاویز فارلینڈ کو سی آئی اے کا ایجنٹ ثابت کرتی ہے

...ی کو چیف مارشل لا، ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق
...ستانیوں کے معاملات کے لئے اپنا مشیر مقرر
...ر معظم علی کو پاکستان پریس انٹرنیشنل (پی پی
...بنایا جاتا ہے۔ لیکن عوام میں وہ "فکس اپ"
...جانتے جاتے ہیں اور اخبار نویس برادری میں
...ر رساں ادارے کو "پی پی آئی" "شرم نہ آئی" کے
...یاد کیا جاتا ہے۔

...مسٹر معظم علی کے بارے میں ان گنت کہی اور ان کہی
...ں مشہور ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں کراچی کے ایک انگریزی
...ت روزے نے انکشاف کیا تھا کہ مصر میں شاہ فاروق
...تختہ الٹنے سے قبل مسٹر معظم علی قاہرہ میں ایک خبر رساں
...دارے کے نمائندہ خصوصی تھے۔ امریکی اور برطانوی،
سفارت خانوں سے ان کے قریبی دوستانہ تعلقات تھے
ان کی سرگرمیاں مبینہ طور پر اتنی پُراسرار تھیں کہ کرنل جمال
ناصر اور ان کے انقلابی ساتھیوں کو ان کی طرف توجہ دینی
پڑی تو ان کو معلوم ہوا ہے کہ مسٹر معظم علی کے اخراجات
زندگی ان کی تنخواہ سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ وہ شاندار اور
جدید ترین فرنیچر سے آراستہ بنگلے میں رہتے تھے۔ گھریلو
ملازمین بھی رکھے ہوئے تھے۔ اکثر و بیشتر مصری اعلیٰ حکام
کو دعوتوں میں اپنے بنگلے پر مدعو کرتے تھے، چنانچہ انقلابیوں
نے مسٹر معظم کا نام مشکوک افراد کی فہرست میں درج کر لیا۔
ہو سکتا تھا کہ انقلابی برسر اقتدار آنے کے بعد اس سلسلے
میں مزید کارروائی کرتے، لیکن جس رات انقلابیوں نے
شاہ فاروق کی حکومت کا تختہ الٹا۔ اسی رات مسٹر معظم علی مصر

سے فرار ہو گئے اور اسی رات ان کا بنگلہ دھماکے سے
تباہ ہو گیا۔ بنگلے میں دھماکہ کس نے کیا؟ مصر کی نئی حکومت
نے صاف طور پر اعلان کیا تھا کہ بنگلہ کو دھماکے سے اڑانے
میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔

خیر یہ تو مصر کی بات تھی ویسے بھی مسٹر معظم علی مغربی
ممالک کے سفارت خانوں اور خصوصاً امریکی سفارت خانے
سے ذاتی تعلقات اور روابط رکھنے کے لئے مشہور ہیں۔
۱۹۷۰ء کے ہنگامی دور میں جوزف فارلینڈ، پاکستان میں
امریکہ کے سفیر تھے اور یہ امریکہ کے رسوائے زمانہ ادارہ
جاسوسی کے ایجنٹ تھے اس زمانے میں عوام دوست سیاسی
جماعتوں اور محب وطن عناصر نے مطالبہ کیا کہ جوزف
فارلینڈ کو حکومت پاکستان "ناپسندیدہ شخصیت" قرار دے کر
امریکہ واپس بھیج دے۔ اس پر یحییٰ خان کے وزیر اطلاعات
اور جماعت اسلامی کے ہمدرد جنرل شیر علی خان نے جوزف
فارلینڈ کا دفاع کرتے ہوئے کہا تھا کہ غیر ملکی سفیروں کو
بدنام نہ کیا جائے کیونکہ وہ ہمارے مہمان ہیں۔ جنرل
شیر علی کے بیان کے جواب میں ہفت روزہ الفتح (۱۰ تا
۱۴ ستمبر ۱۹۷۰ء) نے جوزف فارلینڈ کا سی آئی اے کا ایجنٹ
ہونے کا دستاویزی ثبوت شائع کیا تھا۔ یہ دستاویز (سی

آئی اے) میں کون کیا ہے" نامی کتاب کا ایک حصّہ تھی۔
جس کے مصنف ڈاکٹر جولیس میڈر تھے۔ اور یہ کتاب مئی
۱۹۶۸ء میں مشرقی برلن سے شائع ہوئی تھی اس کتاب کے
صفحہ ۱۶۷ پر لکھا تھا (اس کا عکس شائع کیا جا رہا ہے)

فارلینڈ جوزف سمپسن

پیدائش: ۱۱ اگست ۱۹۱۴ء

ملازمت: ۱۹۴۲-۴۴ء میں جاسوسی ادارہ
ایف بی آئی، ۴۶، ۱۹۴۵ء میں کوریا میں امریکی بحریہ
کے ملٹری افسر۔ ۱۹۵۷ء سے ریاستہائے متحدہ امریکہ کے
سفیر۔ اس میں پاکستان میں جوزف فارلینڈ کی تقرری کا
ذکر اس لئے نہیں تھا کہ یہ کتاب ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی
اور وہ ۱۹۶۹ء میں پاکستان میں متعین ہوئے تھے۔

یہی جوزف فارلینڈ مسٹر معظم علی کے یار غار تھے مسٹر
معظم علی نہ صرف جوزف فارلینڈ کے دفتر اور گھر جاتے تھے
بلکہ اپنے ادارے کی تقریبات کے لئے بھی انہیں جوزف
فارلینڈ کے علاوہ کوئی اور مہمان خصوصی نہیں ملتا تھا۔
جوزف فارلینڈ کے اشارے پر مسٹر معظم علی پیپلز پارٹی کے
بارے میں جھوٹ اور بے بنیاد خبریں بنا کر اپنے خبر رساں
ادارے پی پی آئی کے ذریعہ اخبارات کو کریڈ کرتے تھے

...عنوان افراد کا
...یانتدار قیادت
...تعلقات اور
...بالاخطاب کو
...بسابقہ
...خلاف
...لیکن
...آپ

مولوی صلاح الدین سے راز و نیاز

چنانچہ اسی پر جناب بھٹو نے انہیں نکس اپ کرنے کی دھمکی دی تھی۔

مسٹر معظم علی، جو اسلامک کونسل آف یورپ کے ڈپٹی سکریٹری جنرل بھی ہیں، اسلام اور اسلامی نظام اور نظام شریعت کے بہت بڑے علمبردار بنتے ہیں۔ لیکن اسلام نے مزدوروں کے حقوق کے بارے میں جو ہدایات کی ہیں ان کو یکسر نظر انداز کر جاتے ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں انہوں نے پی پی آئی کے ملازمین کو اجرت بورڈ کے فیصلے کے مطابق تنخواہ دینے سے انکار کر دیا۔ صرف انہوں نے ہی نہیں بلکہ دیگر مالکان اخبارات نے بھی، چنانچہ پی ایف یو جے کی قیادت میں اخباری کارکنوں نے دس روز تک ملک گیر ہڑتال کی۔ اسی ہڑتال کے زمانے میں "پی پی آئی، شرم نہ آئی"، کا نعرہ لگایا گیا جو بہت مقبول ہوا

دسمبر ۱۹۷۱ء میں پیپلز پارٹی برسر اقتدار آئی تو مسٹر معظم علی پاکستان سے بھاگ کر لندن چلے گئے اور جب تک مسٹر بھٹو کی حکومت رہی وہ پاکستان نہیں آئے بلکہ انہوں نے پاکستان میں اپنا کاروبار سمیٹنا شروع کر دیا پی پی آئی کو فروخت کر دیا۔ لیکن ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد مسٹر معظم علی پھر پاکستان کے غم میں دبلے ہونے لگے مارشل لاء انتظامیہ کو ان "کی خدمات" کی ضرورت بھی تھی۔ بتایا جاتا ہے کہ انہیں لندن سے خصوصی طور پر بلایا گیا تھا۔ اسلام آباد کے انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر محکمہ اطلاعات کے اعلیٰ حکام ان کا استقبال کیا۔ ان سے وی آئی پی رویہ برتا گیا۔ مسٹر معظم علی نے ارباب اقتدار سے گفت و شنید کی اور پھر انہوں نے دعویٰ کیا کہ "بھٹو نے انہیں پی پی آئی فروخت کرنے پر مجبور کیا تھا۔ حالانکہ وہ فروخت کرنا نہیں چاہتے تھے"۔ جماعت اسلامی کے اخبارات خصوصاً "جسارت" میں مسٹر معظم علی کے یار غار مولوی صلاح الدین نے اداریے لکھے کہ پی پی آئی معظم علی کو واپس کی جائے چنانچہ پی پی آئی انہیں دیدی گئی۔ لیکن مسٹر معظم علی نے پاکستان میں رہنا پسند نہیں کیا کیونکہ ۵ سال میں سمندر پار کے ممالک میں ان کا کاروبار اور مفادات پھیل چکے تھے

معظم علی اور مولوی صلاح الدین کے درمیان محض پاجامہ اور پتلون کا فرق ہے ورنہ اصل میں دونوں کا کاروبار ایک ہی ہے۔ اسلام اور نظریہ پاکستان کی آڑ میں سامراج اور سرمایہ داروں کی دلالی۔ ۵ جولائی کے بعد ایسے گوہر نایاب اور رتنوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تخت و تاج میں ٹانکنے کا کام بڑی شد و مد سے جاری ہے کیونکہ یہی لوگ بڑی طاقت سے درپردہ مؤثر رابطہ کا باریک کام انجام دیتے ہیں اور معظم علی کو تو ایسی خدمات کی انجام دہی میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ مومنین کی حکومت اس "مومن" کی صلاحیتوں کا کتنا فائدہ اٹھاتی ہے۔

بقیہ: حسین نقوی

پہلے ہی ایک سال میں ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں اور انتشار مزید بڑھا ہے۔ یہ بار بار یاد دلانا ہمارا فرض ہے کہ پاکستان اتنا ہی ہمارا بھی ہے جتنا کسی بھی ایک یا کئی جرنیلوں کا۔ ادھر انڈونیشیا نہیں بنایا جاسکتا۔ نہ ہی آریائی سلطنت قائم ہو سکتی ہے۔

ان ہی دنوں ہمارے ایک جماعتی دوست نے بھی شرف ملاقات بخشا۔ اور گفتگو کے دوران یہ بات نکلی کہ انتخابات کے نتائج کے سیاسی کشاکش کو کم کر سکتے ہیں یا نہیں اور آیا کوئی راستہ ایسا ہے بھی کہ جس سے تمام مکاتب فکر دیانت نمائندگی حاصل کر سکیں۔ میری دانست میں جو حل سامنے تھا میں نے ان سے اسی کا ذکر کر دیا۔ کہ جناب یہ تو آسان بات ہے آپ ملک بھر میں ووٹروں کی تعداد کو نشست تقسیم کر دیں۔ انتخابات میں تمام پارٹیوں کو ان کے حاصل کردہ ووٹوں کے تناسب کے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی نشستیں دے دی جائیں یعنی یہ کہ اگر ایک لاکھ ووٹروں پر ایک نشست پڑتی ہو تو جتنے لاکھ ووٹ کوئی پارٹی سارے صوبہ یا ملک میں حاصل کرے اتنی سیٹیں اس صوبے یا قومی اسمبلی میں اسے دیدی جائیں۔

حل نکالنا مقصود ہو تو راستے موجود ہیں ہاں دھاندلی کرنی ہو تو پھر تو بھڈا پڑتا ہی ہے۔ ۱۹۷۷ء میں قومی اتحاد نے اور دوسرے لوگوں نے ٹائم لاک ڈالا ہی اور کوئی ڈالے گا۔

ادھر کراچی سے ہمارے میاں صلاح الدین نے جسارت کے ۵ نومبر کے پرچے میں "ایران، احیائے اسلام کی تحریکات کے پس منظر میں" کے عنوان سے اداریہ لکھتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ "اب تک پاکستان کی اسلام پسند قوتیں جمہوریت ہی کو لائحہ عمل سمجھتی ہیں لیکن اگر ان کی جمہوری تحریک کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی گئی تو مخالف قوتوں کا فلسفہ انقلاب اختیار کر کے دوسری راہ اختیار کرنے پر بھی مجبور ہو سکتی ہیں۔ اور یہ اچھا نہ ہوگا۔ سلامتی اسی میں ہے کہ اسلام کو ٹھنڈے پیٹوں قبول کر لیا جائے۔ اب اقتدار اسلام ہی کا ہوگا۔"

اس سے پہلے جسارت کے اداریہ نویس نے فرمایا ہے کہ "یہ بات پاکستان کی ان سیکولر اور سوشلسٹ قوتوں کو بہر حال اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے جنہوں نے ہنوز شکست قبول نہیں کی ہے۔ اور جو تحریک نظام مصطفیٰ کے نتائج کو برباد کر دینے پر تلی ہوئی ہیں۔"

میاں صلاح الدین، ان نتائج کی ذرا تشریح تو فرما دیں کیا یہ آپریشن فیئر پلے ہے یا "مارشل لاء پر مارشل لاء" والا جوابی نعرہ یا بغیر انتخابات کے مرکزی، صوبائی اور شہری حکومتیں ہیں۔

جسارت یعنی جماعت اسلامی کے بزرگ اگر واقعی "جمہوریت ہی کو لائحہ عمل سمجھتی ہوتیں" تو آج یہ صورت حال نہ ہوتی۔

میں نے پچھلے کالم میں بھی ان بزرگان کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ سیاست کریں۔ ان میں اسلام کا بیڑا غرق کرنے کی سازش نہ کریں۔ اس واسطے کہ اگر آپ لوٹ کھسوٹ، چوربازاری، بلیک مارکیٹ، ٹیکسوں کی

چوری، منافع خوری، بڑی بڑی زمینداری، بڑے بڑے
کارخانوں کی ملکیت اور غریبوں کی جیب اور محنت پر
ڈاکہ ڈالنے کو "اسلام" بتائیں گے۔ تو ہمارے پاکستان
بھلا کے نہیں دنیا کے کسی خطّے کے مسلمان اس کو تسلیم نہیں
کرینگے۔ اس کو نظام مصطفےٰ ہرگز ہرگز نہیں سمجھا جائے گا
آپ اگر کسی سے یہ کہیں گے کہ کوئی شہنشاہ یا بادشاہ
نظام مصطفےٰ کے مطابق چل رہا ہے۔ تو ہمارے عام
اور جماعت کی ڈکشنری میں "نسلی" مسلمان آپ کو کچھ اور
سمجھنے لگیں گے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ میرے اور مولانا
مودودی کے جدِ امجد کی سیرت سے ہمارے صوفیائے
کرام اور عوامی شعراء نے عوام کو اس قدر بخوبی واقف
کرادیا ہے کہ نظام مصطفےٰ اگر کل کو وہ نظام
محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز ہرگز نہیں مانیں گے۔

ارے بھائی صلاح الدین! ہمارے عوام نے
تو کئی سو سال پہلے جبر و ظلم کے چھوت چھات کے،
ذات پات کے آریائی نظام کے مقابلے میں مشکلات
اور مصائب کے باوجود اسلام قبول کیا تھا۔ کسی تلوار کے
زور پر نہیں۔ آپ ٹھنڈے پیٹوں اسی لئے کل اسلام کو
قبول کرلیں لیکن مولانا مودودی والا سرمایہ داری
اور جاگیرداری نظام کو تقویت دینے والا نظام تو نورانی
میاں کو قبول ہے نہ میرے دوست ظہورالحسن بھوپالی
کو۔ اب تو پیر پگارا کو بھی نہیں لگتا۔

یہ آپ والا "اسلام" ہمارے حکمران طبقوں
کے ہی ایک حلقے میں مقبول ہوا ہے۔ اور بس۔ اور
آپس کی بات ہے تلوار، خنجر، دستی بم، پستول
بندوق سے بھی نہیں پھیل سکتا۔ ادھر پاکستان میں
علامہ اقبال، قائداعظم جیسے ہی لوگ اسلام کی خدمت
کرسکتے ہیں۔ یقین کریں مشورہ مفت اور ٹھیک
دیتا ہوں۔

جمہوریت سے آیئے پھر دیکھئے کہ عوام کو
سرمایہ داروں، اسمگلروں، بلیک مارکیٹوں، منافع
خوروں، ملاوٹیوں کا پسندیدہ نسخہ "اسلام" پسند
ہے یا غریبوں کی ہمنوائی کرنے والا، بھوکوں کی بھوک
کا اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھنے والا، خود کم کھا کر
دوسروں کو روٹی فراہم کرنے والا، ننگے پاتھوں
پر سونے والوں کو بستر اور بے روزگاروں کو روزگار مہیا
کرانے والا ہمارا اسلام۔

"انقلاب" کی دھمکیاں دیکر آپ سوئے ہوؤں
کو کیوں ہوشیار کررہے ہیں۔ اسمگلنگ سے بھری
ہوئی دکانوں کے بجائے مزدوروں، کسانوں، محنت کشوں
کے مفاد کے لیے آپ سامنے آتے تو لوگ آپ کو
واقعی نظام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرفدار سمجھتے
لیکن آپ تو منافع خوروں کو بچانے نکلتے ہیں اور
کہتے ہیں "اسلام" کو بچانے آئے ہیں۔

آپ کیسے کیسے غلط پتے پھینک رہے ہیں
دیکھئے آپ لوگوں نے پاکستان کو "انڈونیشیا" بنانے
کی دھمکی دی تھی۔ وہاں صدر سوہارتو نے اپنی تنخواہ میں
چھ گنا اضافہ کرکے اسلام کی کیا خدمت سرانجام دی ہے
ذرا بتایئے تو سہی۔

یہ اپنے اشتہاروں کے ریٹ بڑھوانے اور دوسروں
کے اشتہارات اور پرچے بند کروانے کے دھندے یا گندے
کاروبار کو تو "اسلام" نہ کہئے۔ کچھ تو خوفِ خدا کھائیے۔

"سوشلسٹوں کا سیکولرسٹوں کا اگر اسلام سے
مسلمانوں سے بیَر ہوتا تو وہ پاکستان کیوں بناتے۔
کیوں بناتے، اس کے لئے جدوجہد کیوں کرتے۔ البتہ آپ
کا پاکستان سے بیر ہے پہلے اس داغ کو دھلائی کلین
کرایئے۔ اس علاقہ کو جو ۱۹۷۱ء میں بچ گیا ہے اسے
تو معاف کردیجئے۔ اس ہمارے پاکستان کی جان بخشی
فرمایئے۔ سندھ کی، بلوچستان کی، سرحد کی، پاکستان کی،
نان، اچھے مسلمان، نیک بندے ایسی باتیں
نہیں کرتے۔ آپ "مخالف قوتوں کا فلسفہ انقلاب"
کیوں اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ واقعی آپ نے سچ کہا
ہے "یہ اچھا نہ ہوگا" میرا خیال ہے یہ زیادہ الشمد انہ
طرزِ عمل ہے۔ "ٹھنڈے پیٹوں" میں چھریاں گولیاں
گرنیڈ مارنے کو "اسلام" کہہ کر آپ "غازی" یا
"مجاہد" نہیں ہوسکتے کہ ہم عام "نسلی" مسلمان جنگ بدر
کے مجاہدوں اور شہیدوں کے روحانی سماجی، معاشرتی،
معاشی جذبوں اور وہ بنگلہ دیش والے "البدر اور
الشمس" والے جذبوں کے فرق کو جانتے، پہچانتے
ہیں۔

۷۰-۱۹۶۹ء میں بھی آپ نے ایسی بڑھکیں
مار کر "نکلو جہاد کے لئے" پھر سیاسی جلوس کو
"شوکت اسلام" کا جلوس بتا کر اپنا ٹھٹھا بٹھا لیا تھا
کچھ تو سمجھئے سیکھئے۔

اگر نورانی میاں آپکو بہت برے لگنے لگے ہیں
تو غیر سیاسی یا کم تجربہ کار سیاستدان پیر پگارا ہی سے
کچھ سبق لیجئے۔

ہمارا اصول ہے کہ سیاسی دوستوں اور دشمنوں کو
نیک مشورہ دیں اور سیدھی راہ دکھائیں باقی ان کی
اپنی توفیق کہ وہ عملاً جمہوریت ہی کو لائحہ عمل سمجھتے
ہیں۔ اور اسی راستے پر واپس آتے ہیں یا کہ نہیں، واپس
آجایئے کچھ نہیں کہا جائے گا۔

بقیہ: پرانی سیاست گری خوار ہے

کے حوالے کردیا ہے۔ انہوں نے ہمارے ملک
کی زرعی پیداوار میں زبردست تخفیف کردی ہے
اور اس طرح امریکی مصنوعات کے لئے منڈی
پیدا کردی ہے۔ ایران کی مسلح افواج کو غیر ملکی
قیادت کے تابع کردیا گیا ہے۔ شاہ کی حکومت
میں اظہار اور صحافت کی آزادی کا گلا گھونٹ
دیا گیا ہے اور اس کی پولیس نے ہزاروں
ایرانی عوام کا قتلِ عام کیا ہے"۔

میرے نزدیک ایران کی موجودہ صورتحال کا اس
سے بہتر خلاصہ ممکن نہیں ہے۔ شخصی آمریت کا دور دورہ
جمہوریت اور بنیادی انسانی حقوق کا فقدان، قومی معیشت
کی تباہی اور ملک پر امریکی سامراج کی اقتصادی، سیاسی
اور فوجی گرفت، یہ ہیں آج کے ایران کی خصوصیات
ایران کے لئے اس نقشہ کا منصوبہ آج سے ۲۸ سال پہلے
اس وقت ترتیب دیا گیا تھا جب شہنشاہ نے امریکی سی
آئی اے کی مدد سے ایران کے قوم پرست رہنما ڈاکٹر
مصدق کی حکومت کا تختہ الٹا تھا اور اینگلو ایرانین آئل
کمپنی کو جسے مصدق حکومت نے قومیا لیا تھا دوبارہ غیر
ملکی نوآبادکاروں کی تحویل میں دیدیا تھا اسی کے ساتھ
شاہ نے برطانیہ کی بجائے جو دوسری جنگ عظیم کے بعد دوسرے
درجے کی طاقت بن گیا تھا امریکی سامراج سے اپنے رشتے
استوار کرلئے جو آج تک استوار ہیں اور اسی گذشتہ ایک ماہ
میں امریکی صدر جمی کارٹر نے شہنشاہ کی حمایت میں دو مرتبہ
بیانات دیئے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب کوئی غیر ملکی
طاقت شہنشاہ کے اقتدار کو محفوظ رکھنے میں کامیاب نہ ہو
سکے گی اس وقت ایران میں صورت یہ ہے کہ وہ دائیں
بازو کی جماعتیں ہوں یا بائیں بازو کی سب کی سب شہنشاہ
کے اقتدار کو ختم کرنے اور ملک میں جمہوریت اور بنیادی
انسانی حقوق کی بحالی پر متفق ہیں۔ شہنشاہ کی طرف سے بار بار
یہ اعلان کہ ان کی مخالفت کے پسِ پشت کمیونسٹ یا تخریب پسند

عناصر ہیں۔ صدالصحرا ثابت ہو رہا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ امریکہ، برطانیہ اور دوسری مغربی طاقتیں ایران کی موجودہ صورت حال سے بہت پریشان ہیں۔ ان کی پریشانی کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ ایران کی جغرافیائی سیاسی پوزیشن بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ ایران کی سرحدیں ایک طرف تو سوویت یونین اور افغانستان سے ملتی ہے تو دوسری طرف پاکستان سے، اس کے علاوہ تیل سے مالا مال خلیجی ریاستوں پر مغربی ممالک کی بالادستی کو برقرار رکھنا امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ افغانستان میں صدر داؤد کی حکومت کا تختہ الٹ جانے کے بعد وزیر اعظم ترہ کی کی انقلابی حکومت کے قیام اور پاکستان میں مارشل لا حکومت کی موجودگی اور سیاسی عدم استحکام کے پیش نظر ایران میں شاہی حکومت کے خلاف عوامی ابھار امریکہ کے لئے سخت پریشانی کا باعث ہے اس نے مشرق وسطیٰ میں صدر سادات اور اسرائیل کے وزیر اعظم بیگن کے درمیان رسوائے زمانہ سمجھوتہ کروا کر جو عارضی فائدہ اٹھایا تھا وہ اب خسارے میں تبدیل ہوتا نظر آ رہا ہے شہنشاہ نے فوجی حکومت قائم کر کے ترکش کا آخری تیر بھی استعمال کر لیا ہے اس کے بعد ان کے پاس اب کوئی اور پتہ نہیں رہ گیا ہے مذہبی رہنما آیت اللہ خمینی اور آیت اللہ شریعت مداری دونوں نے متنبہ کر دیا ہے کہ اگر فوج کے ذریعہ عوامی احتجاج کو کچلنے کی کوشش کو جاری رکھا گیا تو ایرانی عوام بھی ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہو جائیں گے اور شاہ کی حکومت کے خلاف چھاپہ مار جنگ شروع کر دی جائیگی۔ اب تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب اس مرتبہ ایران میں محرم کا چاند نہیں دیکھ پائیں گے۔

مبصرین کے نزدیک شہنشاہ پر ۱۹۷۸ء بھاری ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ایران کی موجودہ صورتحال سے ہم اہل پاکستان کیا سبق حاصل کرتے ہیں ایران کی ریاستی مشینری یعنی فوج پولیس آلکہ اور خفیہ پولیس اور دیگر ایجنسیاں پاکستان کے ان اداروں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ طاقتور ہیں۔ بیرون ملک امریکہ اور دوسری مغربی طاقتیں پاکستان سے زیادہ ایران اور ایران کی پہلوی شخصی حکومت کے تحفظ کی ضمانت دیتی ہیں۔ دولت کے اعتبار سے بھی ایران پاکستان سے کہیں زیادہ طاقتور ہے لیکن یہ ساری فوجی طاقت ریاستی مشینری کا یہ سارا تزک و احتشام تیل کی دولت کی یہ تمام فراوانی، مارشل لا اور فوجی حکومت کی یہ تمام خونناکی عوام کی طاقت اور ان کے جذبہ جمہوریت اور انسانیت کے سامنے ہیچ دکھائی دیتے ہیں عوام کا سیلاب ظلم و ستم کی ان تمام نشانیوں کو بہا کر لے جائے گا۔

ایران کی صورتحال سے جو سبق ہمیں ملتا ہے وہ یہی ہے کہ اگر ہمارے ملک میں بھی زیادہ عرصہ تک غیر آئینی حکومت کا دورہ دورہ رہا۔ اگر ہمارے ملک میں جلد سے جلد جمہوریت اور بنیادی انسانی حقوق بحال نہ کیے گئے اور آزادانہ انتخابات کے ذریعہ عوام کی پسند کی نمائندہ حکومت قائم نہ کی گئی تو ہمارے یہاں بھی صورتحال پلٹا کھا سکتی ہے۔ یہ تو ارباب حل و عقد کا فرض ہے کہ وہ تاریخ سے سبق حاصل کریں اور تاریخ کو نظیر اکبر آبادی کا بنجارہ سمجھئے جس کے بارے میں اس کا کہنا ہے کہ ؎

سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ۔

بقیہ: واہ ری کھلنڈری حکومت

پر اختلاف ہو سکتا ہے۔

ہم مانتے ہیں کہ ورزش اور کھیل جسمانی تربیت کے لئے ضروری ہوتے ہیں لیکن انہیں ان کی حد تک رکھنا چاہئیے۔ یہ نہیں کہ مقصد حیات ہی کھیل بن جائے اور کھیل جیتنے پر عام تعطیلات کا اعلان کیا جانے لگے۔ ایک ستم ظریف نے ہم سے پوچھا کہ کیوں بھئی اگر پاکستان کی ٹیم ٹیسٹ ہار جاتی تو کیا ہماری حکومت سوگ بھی مناتی اور ماتم کے لئے تعطیل کا اعلان کرتی۔ ہم نے جواب دیا کہ موجودہ حکومت سے یہ بھی بعید نہیں۔ کیونکہ جس انداز میں حکام اعلے ہندوستان کے ساتھ کرکٹ کے موجودہ مقابلہ کو دیکھ رہے ہیں اس سے کچھ یوں ظاہر ہوتا ہے جیسے بھارت سے جنگ ہو رہی ہو کہ اس میں جیتنا قومی افتخار اور ہارنا قومی شکست کے مترادف قرار پائے گا۔ جنگ میں تو خیر ہمیں شکست ہوئی تھی اور ہمارے جنرل نیازی صاحب نے ڈھاکہ میں ہتھیار ڈالے تھے۔ وہ موقع ضرور قومی ماتم کا لمحہ تھا لیکن اسے تو ہم اہمیت نہیں دیتے، نہ قومی سطح پر اس پر غور کیا گیا۔ نہ اس کی تنقیح ہوئی نہ تنقید۔ نہ اس سے کوئی سبق حاصل کیا گیا بلکہ اس پر پردہ ڈال دیا گیا۔ اب تک حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ بھی صیغۂ راز ہی میں ہے۔ اس کے برعکس یہ دیکھئے کہ ہندوستان نے جب ۱۹۶۲ء میں چینیوں کے ہاتھوں شکست کھائی تو اس پر اخبارات میں کھل کر بحث ہوئی، اس کے سیاسی اور فوجی مضمرات پر لوگوں نے کھل کر اظہار خیال کیا۔ بے شمار کتابیں لکھی گئیں لیکن ہمارے یہاں اس موضوع کو شجر ممنوعہ قرار دے دیا گیا ہے جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ ہمارے ملک کا نصف حصہ علیحدہ کر دیا گیا اور ہمارے کانوں پہ جوں تک نہ رینگی۔ اب ان دونوں رویوں کا موازنہ کر لیجئے یعنی بھارت سے جنگ ہارنے کے سلسلے میں ہمارا ردعمل اور بھارت سے ایک کرکٹ ٹیسٹ جیتنے پر ہمارا ردعمل۔ بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ خدا ہم پر رحم کرے۔

بقیہ: سنسر شپ

پر سخت اعتراض ہے۔ سنسر عائد ہونے کے بعد شائع ہونے والے ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۸ء کے اخبار سے اداریہ صرف اس جرم میں حذف کر دیا گیا کہ اس میں مسلم لیگ کے سربراہ پیر پگاڑا کے اس بیان پر تبصرہ کیا گیا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب قومی اتحاد سے تمام سیاسی جماعتیں الگ ہو جائیں گی۔ آج تک راقم الحروف کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ اس اداریہ میں کون سی قابل اعتراض بات تھی جس سے حکومت وقت۔ فوج۔ ملکی سالمیت و یکجہتی امن عامہ یا فرقہ وارانہ ہم آہنگی میں خلل پڑ سکتا تھا؟

آزادئ صحافت کے علمبرداروں کو مارشل لا حکام سے کوئی شکایت نہیں ہے کیوں کہ انہیں اپنے اقتدار کے استحکام کے لئے جمہوریت کا گلا گھونٹنا ضروری ہے لیکن شکایت ان نام نہاد جمہوریت پسند جماعتوں اور رہنماؤں سے ہے جو بھٹو کے دور میں جمہوریت، جمہوریت کا ورد کرتے ہوئے نہیں تھکتے تھے لیکن آج انہوں نے مصلحت آمیز خاموشی اختیار کر لی ہے اور آزادئ صحافت پر قدغن کو مکمل آزادئ صحافت سے تعبیر کر رہے ہیں۔ ہمیں شکایت ان نام نہاد آزاد اخبارات اور ان کے مالکان سے ہے جنہوں نے اپنے ہم عصر اخبارات پر ناجائز سنسر کی پابندیاں عائد کرنے کے باوجود اپنی جاہ پسندی اور روایتی موقع پرستی کے باعث مجرمانہ خاموشی اختیار کر رکھی ہے اور اس طرح بالواسطہ طور پر جمہوری قدروں کی پامالی کی تائید کی ہے نام نہاد "آزاد" اخبارات کے مالکان اور قومی اتحاد کے رہنماؤں کو یہ فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ اگر وہ آج آزادئ صحافت کا مطلب صرف اپنے اور اپنے ہم خیال اخبارات و جرائد کے لئے آزادی تصور کرتے ہیں تو یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ اگر ملک میں جمہوریت بحال نہ ہوئی تو ان کی آزادی بھی محفوظ نہیں رہے گی۔

کسی پارٹی پر پابندی لگانے سے اس کے نظریات کو ختم نہیں کیا جاسکتا

سنسر کے نفاذ نے آزادی صحافت کے دعوے کی پول کھول دی

گذشتہ دنوں قومی محاذ آزادی لاہور کی کنوینگ کمیٹی کا اجلاس کنوینر لاہور ارشد بٹ کی صدارت میں منعقد ہوا اجلاس میں ملک کی موجودہ سیاسی صورتحال اور لاہور پارٹی کی تنظیمی صورتحال پر غور وخوض کیا گیا اجلاس میں مندرجہ ذیل قراردادیں منظور کی گئیں۔

قومی محاذ آزادی لاہور ملک کی موجودہ سنگین بحرانی کیفیت پر تشویش کا اظہار کرتا ہے۔ یہ صورتحال پاکستان کے شدید ترین معاشی اور سیاسی بحران کی نشاندہی کرتی ہے بھٹو حکومت کی برطرفی کے بعد مارشل لا انتظامیہ نے بحران پر قابو پانے کے لیے کوئی مناسب قدم نہیں اٹھایا بلکہ پی این اے کی نام نہاد اسلامی جماعتوں کے حکومت میں شامل ہونے کے بعد حالات کی سنگینی میں اضافہ ہوا ہے سپریم کورٹ کا قانون ضرورت کے تحت مارشل لا کو جائز قرار دینا ایک مشروط فیصلہ تھا جس میں کہا گیا تھا کہ مارشل لا حکومت جلد از جلد انتخابات کرا کے اقتدار منتخب نمائندوں کے سپرد کردے گی مگر اب قانون ضرورت کے تحت کیئے گئے سپریم کورٹ کے فیصلے سے روگردانی کی جارہی ہے اور اس سے تجاوز کرکے ان حالات میں سپریم کورٹ آف پاکستان سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اپنے فیصلے پر عملدرآمد کرانے کے لیئے حکومت کو مجبور کرے ان حالات میں بڑھتے ہوئے مسائل کو عوام کی تائید وحمایت کے بغیر حل نہیں کیا جاسکتا۔ عوام کی شرکت کے بغیر مسائل حل کرنے کی کوششیں مصنوعی و غیر جمہوری ہیں۔ جن کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا غیر نمائندہ اقلیتی پارٹیوں کو بغیر الیکشن کے اقتدار دینے سے سنگین صورتحال پیدا ہوگی۔ جو محب وطن پاکستانیوں کے لیے انتہائی تشویشناک اور کرب آمیز ہوگی۔

کسی سیاسی جماعت پر اسلام اور نظریہ پاکستان کی مخالف ہونے کا یکطرفہ الزام لگا کر پابندی لگانے کا فیصلہ انتہائی خطرناک نتائج برآمد کرے گا جس سے سیاسی ابتری اور انارکی بڑھے گی ہمیں ماضی سے سبق حاصل کرتے ہوئے مسائل کے غیر سیاسی اور متشددانہ حل نہیں کرنے چاہئیں سیاسی پارٹیوں پر پابندیاں لگا کر انہیں عوام سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ عوام کی تائید وحمایت ہی سے سیاسی جماعتیں زندہ رہ سکتی ہیں عوامی حمایت کے بغیر کسی سیاسی جماعت کا وجود نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے جو پارٹی عوامی امنگوں اور خواہشات کے برعکس عمل کرے گی عوام اسے مسترد کردیں گے صرف جمہوری طریقہ ہی سیاسی جماعتوں کی زندگی و موت کا فیصلہ کرسکتا ہے۔ جمہوری طریقے کے برعکس پارٹیوں پر پابندی لگانے کا عمل بنگلہ دیش، بلوچستان اور صوبہ سرحد میں اپنے نتائج ظاہر کرچکا ہے نظریہ پاکستان اور اسلام کا مخالف کون ہے اور حامی کون ہے کوئی حکمران اس کا سرٹیفکیٹ جاری کرنے کا مجاز نہیں ہے صرف عوام اپنے ووٹ کے جمہوری حق کو استعمال کرکے اس کا فیصلہ دے سکتے ہیں کسی جماعت پر پابندی لگا کر اپنے مطلوبہ "مثبت نتائج" نکالنے کی پالیسی ناکام ہوگی کیونکہ کسی جماعت پر پابندی لگانے سے اُس کے نظریات کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ نظریات و خیالات تمام پابندیوں سے آزاد ہوتے ہیں یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ ۱۹۶۲ء کا پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ منسوخ کیا جائے اور سیاسی جماعتوں کو غیر جمہوری طریقے سے ختم کرنے کی پالیسی ترک کی جائے۔

یہ اجلاس پریس پر ناروا پابندیوں اور بعض اخبارات اور جرائد کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھنے پر شدید برہمی کا اظہار کرتا ہے صحافت کی آزادی جمہوریت کی روح ہے تحریر وتقریر کی آزادی کے بغیر جمہوریت کا تصور بے معنی ہے جمہوریت اور آزادیٔ صحافت کا نعرہ لگانے والی سیاسی پارٹیوں نے حکومت میں آکر اپنے ہاتھوں سے جمہوریت اور آزادی صحافت کا گلا گھونٹ دیا ہے پی این اے کی جماعتوں کا اصل چہرہ جو اسلام اور جمہوریت کے سنہری نعروں کے پیچھے چھپا ہوا تھا بے نقاب ہوگیا۔ ان پارٹیوں کا حقیقی روپ عوام کے لیئے قابل نفرت ہے۔

یہ اجلاس قائد صحافت منہاج برنا کی زیر قیادت اخباری کارکنوں کی جدوجہد کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور انہیں خراج تحسین پیش کرتا ہے یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ آزادیٔ صحافت پر عائد تمام پابندیاں ختم کی جائیں بعض اخبارات و جرائد پر عائد خصوصی سنسر شپ ختم کی جائے کیونکہ ہر مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والی سیاسی جماعتوں کو اپنا پروگرام اور سیاسی پروپیگنڈہ کرنے کا برابر کا جمہوری حق حاصل ہے۔

یہ اجلاس نامور کشمیری رہنما مقبول بٹ کی بھارتی عدالت کی جانب سے سزائے موت کی بحالی پر تشویش کا اظہار کرتا ہے ان کی سزائے موت کی بحالی سے کشمیری اور پاکستانی عوام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی ہے اپنی آزادی و خود مختاری کے لیئے جدوجہد کرنا ہر قوم اور انسان کا فطری حق ہے جسے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی نہیں چھین سکتی مقبول بٹ نے اپنی قوم کی آزادی کا پرچم بلند کیا ہے اور بھارتی حکومت مقبول بٹ کو تختۂ دار پر چڑھا کر کشمیری عوام کے جذبۂ حریت کو کچلنا چاہتی ہے مقبول بٹ کی سزائے موت پر حکومت پاکستان کی خاموشی کشمیری عوام کے دلوں میں شک و شبہات کو جنم دے گی یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ حکومت پاکستان مقبول بٹ کی جان بچانے کے لیئے سفارتی سطح پر کوشش کرے، بھارتی حکومت کے انکار پر اس مسئلہ کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پیش کرے کیونکہ یہ ایک قوم کی خود مختاری اور ایک عظیم انسان کی زندگی کا مسئلہ ہے یہ اجلاس ملک بھر میں طلبہ مزدوروں اور سیاسی کارکنوں کی وسیع پیمانے پر گرفتاریوں پر شدید احتجاج کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ عید الاضحیٰ سے قبل تمام گرفتار شدہ سیاسی کارکنوں، طلبہ اور مزدوروں کو رہا کیا جائے یہ اجلاس مزدور رہنما بشیر ظفر جعفر خان، لقمان مرزا، این ایس ایف پنجاب کے رہنما رشید انجم کو رہا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

میجر اسحاق محمد کا انٹرویو صفحہ ۱۳ پر